ان کے مفصل تذکرہ اور ان کی شاعری پر عقیدت مندانہ تنقید کے ساتھ شایع کیا ہے، تذکرہ و تنقید کی مفصل

بڑی حد تک غیر جانبدار نہ بھی ہیں، انتخاب کلام میں انھوں نے حضرت امیر کے صرف دونوں دیوانوں

لی ہے، بلکہ ان کے تذکرہ گوہر انتخاب کو بھی پیش نظر رکھا ہے، یہ انتخابات ۱۰ صفحات پر مشتمل ہیں،

کلیاتِ وطن: مرتبہ جناب غلام معین الدین صاحب یوسفی صفہ ۲۰، قیمت — پتہ:۔ مکتبہ ا...

روڈ، حیدرآباد دکن،

جناب یوسفی نے اس نام سے حیدرآباد دکن کے ایک صوفی بزرگ جناب سید افتخار علی شاہ صاحب مرحوم

کلام مع تذکرہ شایع کیا ہے، یہ کلیات اس سے پہلے بھی متعدد بار شایع ہو چکا ہے، لیکن چونکہ ان میں غلطیاں

یہ جدید اڈیشن، عالم وجود میں آیا، آخر میں چار صفحات تاریخی اشعار و اعلانات پر مشتمل ہیں،

سیر الصحابہ رض کے حصۂ مہاجرین کی دوسری جلد

مہاجرین رض

حصۂ اوّل

از مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

جس میں بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ رض و اکابر بنی ہاشم و قریش، اور ان حضرات صحابہ رض کے

اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی مجاہدات اور کارنامے ہیں جو فتح مکہ

اسلام لائے، شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں قریش کی تاریخ اور قبائل مہاجر

ہے، ضخامت:۔ ۴۴۴ صفحے، قیمت:۔ للعہ

جلد بست وسوم ۲۳ | ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۲۹ء | عدد ۳

مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحات
شذرات	سید نجیب اشرف صاحب ایم اے ندوی	۱۶۲-۱۶۵
مولانا سید برکات احمد صاحب ٹونکی رح	جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن	۱۶۶-۱۸۱
فلسفہ کب سے معرضِ وجود میں آیا	جناب سید ابو القاسم صاحب سر رحیدرآباد دکن	۱۸۲-۱۹۱
کتب خانۂ رامپور	مولوی قاضی احمد میاں اختر جونا گڈھی،	۱۹۲-۲۰۴
ابو حاتم محمد بن حبان البستی	جناب سید حسن صاحب برنی،	۲۰۵-۲۱۶
امریکہ اور یورپ کی تمدنی جنگ	"ن"	۲۱۷-۲۲۰
ہندوستان کی گذشتہ عظمت و وسعت	"	۲۲۰-۲۲۳
اخبار علمیہ	"	۲۲۴-۲۲۷
سخنِ حبیب	نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمان خان شروانی حسرت	۲۲۸-۲۲۹
باقر خانی روٹی،	جناب شاد عظیم آبادی مرحوم	۲۲۹-۲۳۰
جدید رسائل و اخبارات	"ن"	۲۳۱-۲۳۶
مطبوعاتِ جدیدہ	"ن"	۲۳۷-۲۴۰

فلسفۂ جذبات

جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح، ضخامت ۲۴۸ - قیمت عہ

"منیجر"

شذرات

بدنام ترکوں کا ایک نیا مذہبی کارنامہ پچھلے مہینہ موصول ہوا یہ تجرید **صحیح بخاری** کا دو جلدوں میں ترکی ترجمہ ہے، پہلے عربی میں اصل حدیث ہے اس کے نیچے اس کا ترجمہ ہے، اور اس کے بعد اس حدیث کی مختصر تشریحات ہیں مشکل مقامات پر حواشی ہیں، مترجم کا نام احمد نعیم ہے، سنہ ۱۹۲۶ء سے سنہ ۱۹۲۸ء تک تین سال میں یہ تکمیل کو پہنچا ہے، جمہوریہ ترکیہ کے مذہبی صیغہ کی طرف سے مطبع اوقاف میں یہ چھپا ہے، پہلی جلد کے اخیر میں علم حدیث کے اصول اور اصطلاحات کا ایک رسالہ شامل ہے، عربی اور فارسی الفاظ اور کتابوں اور ناموں کے سہارے سے جہاں تک پڑھا جا سکا کہا جا سکتا ہے کہ یہ ترکی قوم کا ایک عظیم الشان علمی اور مذہبی کارنامہ ہے، ہم ان لوگوں سے جو ترکی قوم کو جائز حد سے زیادہ بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں، سودا کی زبان میں یہ پوچھ سکتے ہیں؛

یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں،

ہندؤں اور مسلمانوں کے طریقۂ کار اور خصوصیاتِ فطرت کا پتہ ان کی تحریکوں کے نتائج سے لگتا ہے، مسلمان اپنے کام کو شروع ہی کرتے وقت اپنی تمام قوت، اپنے تمام ذرائع اور اپنے سارے وسائل بیک دفعہ صرف کر دیتے ہیں اور پھر چند ہی روز کی دلچسپی میں اپنی محنت کا ثمرہ نہ پاکر بددل ہو جاتے ہیں اور پھر ان کا وہ کام صرف اثری و تاریخی دلچسپی کی ایک چیز ہو کر رہ جاتا ہے، لیکن ہندو جو کام شروع کرتے ہیں اس میں وہ اپنی قوت، اپنے اسباب، اور اپنے ذرائع کو مختلف مدارج کے لیے منقسم کر دیتے ہیں، اور رفتہ رفتہ وہ اس کے نتیجہ کا انتظار کرتے ہیں، یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد اس کا نتیجہ ایک مکمل عمارت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے،

مذہبی انسائیکلوپیڈیا کے بعد اس کی تازہ مثال بنارس کی ہندی پرچارنی سبھا کا وہ ضخیم لغت ہے جو تقریباً ۲۰ سال کی مسلسل کوشش کے بعد مرتب ہوا ہے، اس کا نام شبد ساگر یا بحر الالفاظ ہے، اس میں تقریباً ۹۵ ہزار الفاظ ہیں اور اس کی ترتیب پر ایک لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے، اس رقم میں صوبۂ متحدہ صوبہ بہار اور صوبہ متوسط کی حکومتوں کی رقوم کے علاوہ مختلف والیانِ ریاست کی بڑی بڑی رقمیں شامل ہیں، اس کے علاوہ اسی مجلس نے عدالتی اصطلاحات کا بھی ایک مکمل ہندی لغت مدون کیا ہے، قدیم ہندی تصانیف کی تلاش و جستجو اور ان کی اشاعت کا کام اس کے علاوہ ہے، پھر ہر صوبہ میں اس کی شاخیں ہندی کی ترویج میں جو خاموش کوششیں کر رہی ہیں اور اس کا جو اثر ہوگا وہ اہل بصیرت پر روشن ہے،

دوسری طرف جامعہ بنارس ہے، جس نے اپنے یہاں فی الحال کم از کم انٹرمیجیٹ تک ہندی کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی کوشش شروع کر دی ہے، اور اس سلسلہ میں نصاب کی تمام کتابوں کے ترجمے ہو چکے ہیں اور بی اے کی کتابوں کے ترجمے کا خیال درپیش ہے،

اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم دکن کے سرکاری جامعہ کو جو یقیناً ایک روشن خیال حکمراں کے تدبر کا بہترین مظہر ہے، الگ کر دیں تو مسلمان قوم نے جو اردو کے اپنی مادری زبان ہونے کی دعویدار ہے، اس سلسلہ میں کیا کیا ہے؟ ہم کو دوسروں پر اعتراض کرنے سے زیادہ خود اپنا راستہ بنانے کی ضرورت ہے، ہم کو دوسروں کی ترقی پر رشک یا ماتم کا کوئی حق نہیں ہے، بلکہ ہمارا فرض اپنے زبانی دعووں کو عملی لباس پہنانا اور اپنی تحریکوں کو خلعتِ دوام بخشنا ہے،

آپ نے امریکہ کی کثیر دولت اور وہاں کے دولت مند لوگوں کے حالات پڑھے اور سنے ہوں گے،

لیکن کیا آپ نے کبھی بھی اس بات کے دریافت کرنے کی بھی کوشش کی کہ وہ اپنی دولت کو کس طرح صرف کرتے ہیں،
اس مہینہ امریکہ سے جو اخبارات آئے ہیں انھوں نے ان رقوم کی تفصیل شائع کی ہے، جو امریکن قوم ہر سال مذہبی
علمی اور عملی کاموں کے لیے سالانہ دیا کرتی ہے اور یہ رقمیں ان کی سالانہ آمدنی کے ساتھ برابر بڑھتی جاتی ہیں
چنانچہ گذشتہ سال ان چندوں کی تعداد ۲۳۳۰۶۰۰۰۰۰ ڈالر یعنی تقریباً ۷ ارب روپیہ ہے
اس کے علاوہ سات سال کے یہ اعداد ہیں:۔

سنہ	رقم
۱۹۲۱	۱۷۱۹۰۰۰۰۰۰ ڈالر
۱۹۲۲	۱۷۸۷۷۶۰۰۰۰ ؍؍
۱۹۲۳	۱۸۵۹۳۱۰۰۰۰ ؍؍
۱۹۲۴	۲۰۰۰۳۲۰۰۰۰ ؍؍
۱۹۲۵	۲۰۶۸۵۷۰۰۰۰ ؍؍
۱۹۲۶	۲۱۹۲۶۸۰۰۰۰ ؍؍
۱۹۲۷	۲۲۱۹۷۰۰۰۰۰ ؍؍

کیا یہ اعداد ہم کو کوئی سبق دیتے ہیں،

سائنس نے مادی دنیا میں جو انقلاب پیدا کر دیا ہے، اس نے مغربی روحانی دنیا میں بھی ہلچل مچا
رکھی ہے، اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کے ایمانوں میں جو تزلزل پیدا ہو گیا ہے اس سے متاثر ہو کر ایک مشہور نشپ
نے اہل سائنس سے یہ درخواست کی ہے کہ وہ کم از کم دس سال کے لیے اپنی تمام کوششوں کو بند کر دیں، تاکہ
مذہبی دنیا موجودہ حالات کے مطابق اپنی مدافعت و حفاظت کا سامان کر سکے، کیا مغرب میں یہ مادیت کی

فتح اور مذہب کی شکست کا صاف اقرار نہیں ہے؟ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مذہب کی دنیا الگ اور سائنس کا عالم
جداگانہ ہے، اس اعترافِ شکست میں وہ بنیادی کمزوری پنہاں ہے، جس پر موجودہ مغربی مسیحیت کی پرعظمت
عمارت قائم ہے۔

مقالات

حضرت حکیم سید مولٰنا برکات احمد صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ

از

جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی، جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر جس وقت دکن پہنچی اسی زمانہ میں نواب صدر یار جنگ مولنٰا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی کا یہ گرامی نامہ خاکسار کے نام شرف صدور لایا،

مکرمی مولوی سید مناظر احسن، السلام علیکم، مولنٰا برکات احمد صاحب مرحوم کے حالات میں ایک اچھا سا مضمون معارف کے لیے لکھد یجئے، حالاتِ زندگی، خاندان، تحصیل علم، ٹونک کا تعلق، خصوصاً تدریس کا شغف اور طرز تعلیم زیادہ وضاحت سے تحریر ہو، نیز یہ کہ کس کس علم سے خاص مناسبت تھی، اخلاق و ذاتی اوصاف، ممتاز تلامذہ، وغیر ذلک، یا نسب، پراگندہ خاطر پراگندہ قلم سے صرف فرمان کی تعمیل کیجاتی ہے، بھولے بسرے خیالات کو جس طرح ممکن ہوا جمع کر دیا گیا ہے، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

آبائی وطن بہار حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ مشہور ٹونکی نسبت سے ہیں، لیکن آپ کا آبائی وطن اور آپ کے والد مرحوم کا مولد و منشا، شیرازِ ہند[1] کا وہی علاقہ ہے جس کے ایک فرزند، بلند طالع نے عہد اسلام کے مشرقی عقلیات کے سمندر مواج کو

[1] شاہجہاں کے مشہور تاریخی جملہ "پورب شیراز ماست" کی طرف اشارہ ہے، پورب میں اودھ، جونپور اور بہار کے مغربی اضلاع شمار کئے جاتے ہیں،

علم و سلّم کے کاغذی کوزہ میں نچوڑ کر رکھدیا تھا، اور جس نے بقول علامہ شبلی مرحوم ایک صدی سے زیادہ زمانہ تک اسلامی مدارس کے نصاب کے نصف حصہ کو ہندوستان سے بخارا تک اپنے پنجے میں دبا لیا تھا، مشرقی ممالک کے علمائے اسلام کا کمال اس عہد میں صرف اس سے وابستہ تھا کہ ملا محب اللہ بہاری مرحوم کی اس ایجازی انشار کی نادرہ کاریوں کی تشریح و تحشیہ کر سکیں، دہر کی ان اعجوبہ طرازیوں کو کیا کہئے کہ ہندوستان کی قدیم ہندو منطق کی بنیاد علم و معرفت کے اسی دھار[1] (بہار) کے علاقہ ترہت میں گوتم رشی[2] نے ڈالی جو نیائے شاستر کے نام سے اس وقت تک مشہور ہے، اور پھر مشرق کی قدیم آزاد تعلیم کے آخری علم بردار حضرت مولانا سید برکات احمد رحمۃ اللہ علیہ کی خمیر بھی اسی صوبہ کی مٹی سے تیار کیگئی، ہندو جس منطق کو اپنے علمی دور میں پڑھاتے تھے، اس کا بانی بھی بہاری تھا، اور مسلمان جس منطق و حکمت کا درس ہندوستان میں دیتے تھے دیکھو تو کہ اس کا خاتمہ بھی ایک ایسے فرد پر ہوا، جو نزیلاً نہ سہی، لیکن طبعاً بہاری تھا،

میر نگر ضلع (پٹنہ) دریائے گنگا بہار کے جگر کو سیراب کرتی ہوئی، بنگال میں پہنچتی ہے، اور صوبوں کا حال معلوم نہیں، لیکن بہار کے اضلاع پٹنہ و مونگیر کا وہ حصہ، جو گنگا کے جنوبی ساحل سے ملا ہوا ہے، اپنی زرعی خصوصیات کے لحاظ سے صوبہ کا ارضِ ریگ (ٹال) سمجھا جاتا ہے، اسی ٹال میں سرمیراد (جس کے ایک شہباز نے اکبرآباد کے کشکولِ قلندری کو اردو ادب کے آسمان کا نیرِ درخشاں بنا دیا) سے متصل زیدی واسطی سادات کی ایک چھوٹی سی بستی میر نگر کے نام سے آباد ہے، غالباً اشرافِ عرب کے شرفِ انتساب و سکونت نے اس کو یہ نام دیا، کیونکہ اسلام کے مشرقی ممالک میں فاطمی امیروں اور حسنی و حسینی شریفوں کے اسمائے گرامی سے پہلے میر کا لفظ تعظیماً و اکراماً عموماً بڑھا دیا جاتا ہے، جو غالباً لفظ امیر کا مخفف ہے، مشہور علمائے سادات سید شریف جرجانی اور سید زاہد ہروی میر ہی کے نام سے

[1] بہار کا اصلی نام دہار ہے جس کے معنی دار العلوم یا خانقاہ کے ہیں، اس صوبہ میں بودھ مذہب کے علمار کے مدارس اور خانقاہوں کی کثرت تھی، اور اسی صوبہ میں بودھا کا شہرِ معرفت بھی گیا میں تھا، کہا جاتا ہے اسی دہار کا تلفظ بعد کو بہار ہوگیا، [2] یہ گوتم بودھا نہیں بلکہ ترہت کے ایک دوسرے پنڈت کا نام ہے جو نیائے شاستر کا مصنف ہے، اس علاقہ کا مرکزی شہر اب دربھنگہ ہے، (بقیہ حاشیہ صفحہ مابعد)

اسلامی ادبیات میں یاد کئے جاتے ہیں، اور اول الذکر کے متعدد حواشی تو صرف لفظ میر سے موسوم ہیں، شرح مطالع اور قطبی دونوں کے ساتھ کسی زمانہ میں میر نامی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، بہرحال حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کے آبائی وطن ہونے کی سعادت صوبہ بہار کے اسی گاؤں میر نگر کو حاصل ہے، جو ضلع عظیم آباد پٹنہ کے علاقہ میں واقع ہے،

میر نگر کی اہمیت اگرچہ بہار کے اضلاع پٹنہ، مونگیر، گیا، آرہ، دربھنگہ، مظفر پور، وغیرہ میں متعدد مقامات پر سید دل کی علم ریز، جواہر خیز بستیاں ہیں قدیم وجدید ہر دور میں صوبہ کا علمی اور دماغی پرچم شہروں سے زیادہ، ان ہی دیہاتی خانوادوں کے اولوالعزم افراد کے ہاتھوں میں رہا، اور اس وقت تک ہے، لیکن عجیب بات ہے، کہ امیت کی عربی شان سادات کی بستیوں میں سے جس بستی پر بہت زیادہ نمایاں ہے، وہ صوبہ کے دارالخلافت پٹنہ کا یہی قریہ میر نگر ہے، شرافت نسبی کی وجہ سے گرد ونواح کے سادات کی برادریوں کا سلسلہ میر نگر والوں سے ہمیشہ سے جاری ہے، لیکن اس میل جول کے باوجود کچھ نہیں کہا جا سکتا، کہ کیوں لیکن یہ واقعہ ہے کہ میر نگر والے اپنی قدیم امیت (ناخواندگی) کے نقطہ سے اس وقت تک بہت کم ہٹے ہیں اِلّا ماشاء اللہ، اور غالباً یہی وجہ ہے، کہ افسون فرنگ سحر مغرب کے طلسم کدہ کی تعمیر میں، فاتح خیبر کے، ان بچوں کے کاسہ سر دل وجگر سے بہت کام لیا گیا، بہت مشکل سے چند نفوس اس گاؤں میں ایسے ملیں گے، جو کالجوں اور اسکولوں میں نہیں، کونسلوں اور اسمبلیوں میں نہیں، بلکہ محض معمولی کچہریوں میں سرکاری احکام کی تعمیل کے لیے مقرر ہوں، حالانکہ ان ہی کے برادری والے جو دوسری بستیوں میں آباد ہیں، ان میں وہ سب کچھ ہے جس کا نام عہد دجل میں "ترقی وعروج" ہے، بہرحال غریب میر نگر ایک قریہ امیہ ہے، امیوں کی آبادی ہے،

لیکن کیا کیا جائے، کہ معماروں نے جس پتھر کو رد کیا تھا، وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا، پیمانوں کے صغرو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) کنہ ریفٹ یا سے نیل کے اس ... علاقہ کو کہتے ہیں جس پر نیل کی طغیانی سے ہر سال نئی مٹی چڑھ جاتی ہے اور کاشت کے لیے اکسیر کا کام دیتی ہو، بہار کے اس علاقہ کا بھی یہی حال ہے کہ گنگا اور اسکی معاون ندیاں ہر سال نئی کیچڑ اس پر چھوڑتی ہیں، جسکی وجہ سے پیداوار غیر معمولی ہو جاتی ہے، پروفیسر مولوی عبدالغفور شہباز سابق صدر کلیہ، ورنگ آباد دکن کی طرف اشارہ ہے، جنھوں نے میاں نظیر اکبر آبادی کے بھی کلام کو بہ نظیر داروین دکلیات کی صف میں جگہ دی،

کبر کا اگر خیال نہ کیا جائے تو دنیا تاریخ کے ان اعادوں پر ہمیشہ حیرت کرتی ہوئی نظر آئے گی، اور کرتی رہے گی، یہ شاعری اور مبالغہ نہیں ہے، بلکہ ایک امر واقعہ ہے، کہ اسی قریۂ امیہ کی تاریکیوں میں وہ آفتاب چمکا جس کی درسی اور علمی شعاعیں صرف ہندوستان کے لیے نہیں، مشرق کے لیے نہیں، بلکہ سچ پوچھو، تو عالم اسلام کی قدیم عقلیات، اور آزاد تعلیم کی واپسیں اور آخری شعاعیں تھیں امام الحرمین غزالی، رازی، طوسی، قطب شیرازی، قطب رازی سید سند دوانی قطب سہالی ملا نظام الدین فرنگی محلی، ملا بحرالعلوم، خاندان خیر آبادی نے، مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور عقلی ارتقاء کے لیے تعلیم کا جو نظام قائم کیا تھا، دیکھو! کہ وہ ۱۳۵۳ھ کی ۱۸ ربیع الاول کو غروب ہو گیا، اب کیا پھر مشرق کے افق سے علم کے اس آفتاب کے طلوع ہونے کی کوئی امید کر سکتا ہے، کیا دہلی، لکھنؤ، کابل، بخارا، سمرقند، قسطنطنیہ، شیراز، قاہرہ، ٹیونس، کے مرحوم مدارس انگورہ، طہران جدید، قاہرہ وغیرہ میں اپنی پچھلی خصوصیتوں کے ساتھ زندگی حاصل کر سکتے ہیں؟ جہاں انھیں ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا گیا، اچھا ہوا، یا برا ہوا، اس سے بحث نہیں، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تعلیم کے جس نظام پر بربادی آئی کیا یہ اس کی آخری بربادی نہیں تھی، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، اس قدیم نظام کے درس کو اپنی ظاہری ومعنوی خصوصیتوں کے ساتھ اس آخری دور میں صرف حضرت الاستاذ قدس سرہٗ نے قائم کر رکھا تھا، اور اسی لیے میں ان کو تعلیم کے اس نظام کا آخری علم بردار خیال کرتا ہوں۔ فما ھو بقول شاعر،

خاندان۔ میر نگر کے متعلق عرض کر چکا ہوں کہ وہاں زیدی سادات کا خاندان آباد ہے، حضرت قدس سرہ العزیز کا خاندانی تعلق بھی اسی خانوادہ سے تھا، آپ کے والد ماجد مولانا حکیم حاجی سید شاہ دائم علی نور اللہ مرقدہٗ والخاطب نجان ریاست ٹونک، میر نگر ہی میں پیدا ہوئے، میر نگر اس وقت تک قریۃ الامین ہے، اس سے زیادہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آج سے ایک صدی پہلے اس کا کیا حال ہوگا، جبکہ نہ شہروں میں کالجوں کا اور دیہاتوں میں اسکولوں کا جال اس طرح بچھا ہوا تھا جیسا کہ اس وقت ہے، حکیم دائم علی مرحوم اسی ماحول میں پیدا ہوئے، بڑھے، اور عمر کے ایک معقول حصہ تک وہ نوشت وخواند سے قطعاً عاری تھے، جد

یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے، لیکن میر نگر کے ایک پیرانہ سال بزرگ مجھ سے ذکر کرتے تھے، کہ حکیم صاحب کھیت میں گوبر کی ہنڈیا پٹک کر بھاگ گئے تھے، واللہ اعلم بالصواب، کچھ بھی ہو بعض نامعلوم اسباب کی بنیاد پر حکیم دائم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں طلب علم کا شوق اور داعیہ پیدا ہوا، میر نگر سے چند میل بجانب مغرب ان ہی سیدوں کی ایک بستی گیلانی ہے اس زمانہ میں وہاں کسی سرخ و سفید عمارت میں نہیں، ہزاروں روپیے فرنیچروں کے درمیان نہیں بلکہ ایک خام مسجد کے کنارے برگد کے درخت کے نیچے کھلے ہوئے تخت پر گذشتہ خاک نشینوں کی ایک یادگار، صرف حاضری کے رجسٹروں کی تکمیل نہیں کر رہا تھا، بلکہ ایک طرف ھدایہ اور تلویح، دوسری طرف چغمنی اور افق المبین جیسی سنگلاخ کتابوں سے لطیف حقائق، دقیق نکات و مسائل کے جھرنے جاری کر رہا تھا، وہ کسی وقت اگر منطق و مابعد الطبعیات کے رموز، و پیچیدہ غوامض پر شستہ تقریر کرتا تھا، تو دوسرے وقت قاضی بیضاوی کے تفسیری اسرار اور تفتازانی کے بیانی وبدیعی نظریات کو مفت بانٹ رہا تھا، ان کا نام مولانا محمد احسن گیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) تھا، جو اپنے وقت میں صوبہ کے سرآمدِ روزگار فضلا میں شمار کئے جاتے تھے، اور جنکی تہذیب و تدوین، تحشیہ و تصحیح سے طوسی کے، اقلیدس کا پہلا مقالہ عربی مدارس میں اس وقت تک پڑھایا جاتا ہے،

حکیم دائم علی صاحب کے طلب علم کی پہلی منزل طبعی طور پر گیلانی کو ہونا چاہئے تھا خصوصاً اس لیے بھی کہ مولانا محمد احسن مرحوم سے آپ کی رشتہ داری بھی تھی، اور یہی ہوا کہ میر نگر کا وہی لڑکا جو صبح کو کسی کھیت میں تھا شام کو گیلانی کے اس شجرِ معرفت کے نیچے دیکھا گیا، گیلانی میں اس وقت صرف بہار ہی کے طلبہ نہیں پڑھتے تھے، بلکہ بالائی ہند حتی کہ سرحدی پہاڑیوں سے طلبہ کی ایک جماعت علم کے چشمۂ شیریں کے آگے مصروفِ استفادہ تھی، حکیم دائم علی صاحب بھی طلبہ کی اس جماعت میں داخل ہو گئے، صحیح طور پر معلوم نہیں لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ تعلیم کے ابتدائی منازل انھوں نے حسبِ دستور قدیم کسی اعلیٰ جماعت کے طالب العلم کے ذریعہ سے طے کیے، اور بالآخر درس نظامیہ کا ایک بڑا حصہ انھوں نے اسی گاؤں میں ختم کیا، اس منزل کے بعد ان کے علمی سفر کے منازل، اور کہاں کہاں طے ہوئے مجھے اس کا تفصیلی علم نہیں، تاہم گیلانی کے عہدِ طلب میں ان کا جو خطاب تھا اس کی اطلاع مجھے اس وقت ہوئی،

جب ابتدائی پڑھنے کی غرض سے میں ٹونک میں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنے وطن گیلانی صوبہ بہار سے حاضر ہوا تھا،

میں ٹونک اپنے عم مغفور و مرحوم مولانا حکیم حاجی حافظ سید محمد ابو النصر گیلانی نور اللہ ضریحہ ابن مولانا محمد احسن گیلانی کے ساتھ گیا تھا، ہمارے ساتھ ایک اچھا مجمع تھا، جس میں مولانا محمد احسن گیلانی مرحوم کے شاگرد مولوی محمد اسمٰعیل مرحوم سابق منیجر صغری وقف اسٹیٹ (بہار) بھی تھے، ہم لوگ بعد مغرب ٹونک پہنچے ہیں اپنی خوش قسمتی پر جس قدر ناز کروں بیجا نہ ہوگا، کہ ان بزرگوں کی معیت کے طفیل میں مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی تھی، کہ حضرت الاستاذ مولانا برکات احمد صاحب ٹونک سے تقریباً دو میل آگے نکل کر بناس ندی کے کنارے ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے، مطلوب کی یہ شانِ طالبیت عجیب تھی،

حضرت الاستاذ نے ان لوگوں سے اپنے والد ماجد کی طرف سے یہ عذر پیش کیا کہ پیرانہ سالی کی وجہ سے وہ یہاں تک نہ آسکے، بہرحال مغرب کے بعد ہم لوگ حضرت حکیم صاحب کے در دولت پر پہنچے، حکیم دائم علی صاحب ہمارے انتظار میں تھے، مولوی اسماعیل صاحب نے لوگوں سے کہدیا تھا کہ میرا تعارف حکیم صاحب سے کوئی نہ کرائے، دیکھوں کہ اتنی مدت کے بعد وہ مجھے پہچانتے ہیں یا نہیں، الغرض حکیم دائم علی صاحب مرحوم جب سامنے آئے اور ایک ایک سے گلے ملنے لگے، جب مولوی اسمٰعیل صاحب کی باری آئی تو چند سکنڈ کے غور کے بعد یکایک یہ عجیب منظر آنکھوں نے دیکھا، کہ جوانی کے بچھڑے ہوئے، دو سفید ریش بزرگ ایک دوسرے کے سینے سے لپٹے ہوئے تھے، لبوں پر ہنسی تھی، اور آنکھوں میں آنسو، رقت کے ساتھ حکیم دائم علی صاحب نے فرمایا کہ "کہو یا شیخ الاشراق اچھے ہو؟" مولوی اسمٰعیل نے اس کے جواب میں فرمایا "فرمائیے صوفی صاحب آپ تو بعافیت رہے" (اوکما قال) بہرحال اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ برگد کے درخت کے نیچے، ایک شیخ الاشراق اور دوسرا صوفی کے نام سے پکارا جاتا تھا، مولوی اسمٰعیل صاحب کی اشراقیت کا حال تو مجھے معلوم نہیں لیکن حکیم دائم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں نہ حکیم تھے اور نہ عالم، بلکہ صرف صوفی تھے،

حضرت سیدنا الامام مرشد العلماء حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ ہوئے اور عمر کا پچھلا حصہ انھوں نے صرف صوفیانہ مجاہدات باطنی ریاضات میں بسر کر دیا، بہر حال میں موضوع سے کچھ دور ہو گیا، ذکر حکیم دائم علی صاحب مرحوم کا تھا، گیلانی کی تحصیل کے بعد، حضرت حکیم صاحب مختلف درسگاہوں کی سیر کرتے ہوئے، لکھنؤ، رامپور کو دیکھتے ہوئے، علم حدیث کی تکمیل غالباً مولانا عالم علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مراد آبادی نگینوی سے کی، اس کے بعد اجمیر شریف پہنچے، اجمیر شریف سے فن طب کی تکمیل کے لیے ٹونک آ گئے، اس زمانہ میں والی ٹونک کے جو طبیب خاص تھے، ان سے پڑھنا شروع کیا، واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ٹونک میں حضرت حکیم صاحب کی طالب العلمی کا زمانہ نہایت سخت تھا، عسرت اپنے انتہائی مدارج کو پہنچ چکی تھی، کہ ایک دن خواب میں، انھوں نے اجمیر کے خواجہ، اور ہندوستان کے سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا، فرماتے ہیں کہ میاں سید گھبراؤ نہیں، خدا تمھاری مشکلات کو آسان کرے گا، اور یہ فرما کر کچھ صندل اور غالباً چند پیسے، انھوں نے حکیم صاحب کے حوالہ کیے، غالباً اس زمانہ میں ایسی باتیں افسانہ سمجھی جائیں لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ بیداری میں صندل وغیرہ تو نہیں مگر ایک پیسہ حکیم صاحب کے ہاتھ میں موجود تھا، میں نے اس پیسہ کی خود زیارت نہیں کی ہے، لیکن مسند برکاتی کے جانشین مولانا حکیم محمد احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ جو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید ہیں، ان سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ کیا یہ عجیب و غریب پیسہ ان کے خاندان میں اس وقت تک موجود ہے؟ وسواسین اس ذریعہ سے اپنے کو اب بھی مطمئن کر سکتے ہیں، اس عجیب و غریب رویا کے بعد، صبح کو یہ واقعہ پیش آتا ہے، کہ حکیم صاحب کے استاذ حسب معمول نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت ریاست کے والی نواب محمد علی خاں مغفور تھے جن کو بعض خاص اسباب کی بنیاد پر برٹش گورنمنٹ نے بنارس میں نظر بند کر دیا تھا، نواب صاحب نے اپنے معالج سے فرمایا، کہ حکیم صاحب مجھے اپنے ولی عہد کے لیے ایک ایسے اتالیق کی ضرورت ہے، جو شریف ہو، عالم ہو، متقی ہو، اور طبیب بھی ہو، حکیم صاحب نواب صاحب کی اس فرمایش کو سن کر چلے آئے، اور دل میں

اسی شخصیت کا خیال آیا، جو اجمیر کے آستانہ سے برکت حاصل کر چکی تھی، آتے ہی حکیم دائم علی صاحب کو بلوا کر ماجرا سنایا، اور خواہش ظاہر کی، کہ اگر تم آمادہ ہو، تو میں تمھارا نام پیش کرتا ہوں، ضرورت موجود تھی، اقرار کر لیا گیا، اور اسی کے بعد امیر نگر کا غریب سید ٹونک کے ولیعہد کا اتالیق مقرر ہو گیا،

اتالیقی کے چند ہی دن بعد نواب صاحب مرحوم کی نظر بندی کا واقعہ پیش آیا، اور ہز ہائینس نواب حافظ ابراہیم علی خاں خلیل خلد اللہ ملکہ، فرمانروائے حال تخت نشین ہوئے، نواب صاحب حکیم دائم علی صاحب سے مانوس ہو چکے تھے، رفتہ رفتہ ان کے اعزاز کو بڑھانا شروع کیا، پہلے وہ طبیب خاص ہوئے، اور آخر میں غالباً وہ وزارت عظمیٰ کے عہدہ تک پہنچے،

نواب ابراہیم علی خاں بہادر کے دربار سے حکیم دائم علی صاحب پر جود و کرم کی جو بارش مختلف اوقات میں ہوتی رہی، ٹونک کی پرانی صحبتوں میں اس کی گرمی اس وقت تک موجود ہے، اسی زمانہ میں معلوم نہیں کیا، اسباب و ذرائع پیش آئے، کہ حکیم دائم علی صاحب کی شادی ضلع مظفر نگر کے مشہور قصبہ پھلت کے اس شریف گھرانے میں ہو گئی، جس کا خاندانی تعلق حکیم الہند حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، اور ان ہی بیوی صاحبہ کے بطن سے، اللہ نے حکیم دائم علی صاحب کو سب سے پہلی اولاد وہ دی جس کے علم و درس کے فیوض سے، ہندوکابل، بلکہ بخارا، سمرقند، خیوا، اور کاشغر کے طلبہ بھی سیراب ہوئے، حضرت الاستاذ مولانا برکات احمد صاحب حکیم دائم علی صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے، آپ کی ولادت بمقام ٹونک سنہ ۱۲۸۰ھ میں ہوئی،

ابتدائی تعلیم حضرت الاستاذ الامام رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم کا حال تفصیلی طور پر مجھے معلوم نہیں، تاہم معمولی نوشت و خواند سے فراغت حاصل کرنے کے بعد شوق کا اندازہ کرنے کے بعد آپ کے والد بزرگوار نے اپنے ایک قدیم دوست، اور صوبہ بہار کے مشہور عالم مولانا لطف علی صاحب دھنیہوی مرحوم کو اپنے وطن سے ٹونک محض اپنے بچے کی تعلیم کے لیے بلوا لیا، اور حمد اللہ تک معقولات کی

کتابیں اپنے گھر ہی پر مولوی صاحب موصوف سے پڑھیں، خدا جانے اسی زمانہ میں یا کب، لیکن حضرت بیان فرماتے تھے کہ مولانا لطف علی صاحب کے سوا ٹونک کے ایک اور عالم فقیہ مولانا محمد حسن صاحب مرحوم جو محلہ چھاونی میں رہتے تھے ان سے آپ نے ہدایہ بھی پڑھی تھی، مولانا لطف علی صاحب مرحوم پوری توجہ اور محنت کے ساتھ آپ کی تعلیم میں مصروف تھے، اور یہ ان ہی کی تعلیمی کوششوں کا نتیجہ تھا، کہ شوق و ولولہ کے جذبات میں رفتہ رفتہ ایک ایسی ہلچل پیدا ہوئی کہ ٹونک کا علمی صحرا، آپ کی جستجو و تلاش کے لیے تنگ ہو گیا، ادھر مولوی صاحب بھی کسی وجہ سے بہار روانہ ہو گئے، شوق بے پروا کے شعلے بھڑک چکے تھے، صبر کا دامن چھوٹ گیا، اور بالآخر آپ کی بیتابیوں کو دیکھ کر وہی باپ جو ایک دن کے لیے اپنے سعید و ہونہار بچے کو آنکھوں سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا، اور اسی لیے ایک بیش قرار تنخواہ پر ایک مستقل عالم کو گھر پر رکھ لیا تھا، اجازت دیدی، کہ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو، اور یوں اللہ نے آپ کے لیے علم کی قدیم سنت رحلت کی راہیں درست کیں،

خود حکیم دائم علی صاحب اور مولانا لطف علی صاحب دونوں پر منقولات و سمعیات سے زیادہ عقلیات کا اثر تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا، کہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ بھی زیادہ تر علم کے اسی شعبہ کی طرف مائل تھے، تلاش علم کے لیے ہندوستان کے طول و عرض کی طرف نگاہ اٹھی، تو سب سے پہلے اسی حلقۂ درس پر نظر انتخاب پڑی، جو اس زمانہ میں عقلی علوم کا اگر مرکز وحید نہیں تو سب سے زیادہ ممتاز و نمایاں مرجع تھا، میری مراد مولانا عبد الحق صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے دائرۂ افادہ سے ہے خیرآبادی دراست کے شعبۂ عقلیات کی امامت اس عہد میں مولانا ہی کی ذات گرامی پر ختم ہوئی تھی، یہ وہ وقت تھا کہ نواب کلب علی خاں مرحوم مغفور کی مشہور عالم قدر شناسیوں اور معارف نوازیوں نے رامپور کو مجمع العلم اور مرجع الکملاء بنا دیا تھا جس فن جس ہنر جس علم میں ہندوستان کے کسی گوشہ سے کسی نے سر اٹھایا، بالآخر وہ کسی نہ کسی طرح رامپور کے بانسواڑے میں محصور ہو جاتا تھا، اس سلسلہ میں نواب صاحب مرحوم کی نازک تدبیروں کی ایک طویل داستان ہے، لیکن ان کی علمی زبردستیوں کا سب سے زیادہ دلچسپ اور زریں کارنامہ یہ شمار کیا جاتا ہے، کہ خیرآباد کی سبک روح بھی محض نواب ہی کی فطری جاذبیت

کی بدولت رامپور کے نورتن میں آخر وقت تک شریک رہی،

بہرحال خیرآباد کا یہ علمی دریا بجائے اودھ کے اندنوں، روہیل کھنڈ کے اسی شہر رامپور کے کنارے درس و افادہ کا طوفان برپا کئے ہوئے تھا، اور اسی لیے حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ ٹونک سے روانہ ہو کر سیدھے رامپور پہنچے، اور خیرآباد کے آستانے پر کچھ اس طرح گرے، کہ چرخ نیلوفری کی گردشوں نے خیرآبادی جلال کا نسلی طور پر خاتمہ کر دیا، لیکن خیرآبادیت کو ختم ہونے سے آپ نے بچا لیا، خیرآباد صدیوں کا معبد علم و عقل خیرآباد، علمی سطوت کے لحاظ سے گویا مٹ چکا تھا، لیکن اسی آہنین ارادہ نے زمانہ کی سخت کوششوں کے باوجود خیرآبادیت کو آخر دم تک مٹنے نہ دیا،

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طلب علم کی یہ مدت بہت طویل تھی، لکھ چکا ہوں کہ نظامی نصاب کے متوسطات آپ ٹونک ہی میں پڑھ چکے تھے، اس سے زیادہ پڑھ چکے تھے، جتنا کہ اس زمانہ کا فارغ التحصیل عالم بھی نہیں پڑھتا، لیکن علم پیشہ جہل کے اقرار کو مانگتا ہے، جو برتن خالی نہیں کیا جائیگا وہ بھرا بھی نہیں جائے گا، ادنیٰ و اعلیٰ، ہر قسم کے علم کی راہ کا پہلا زینہ یہی ہے، حضرت کی طلب صادق تھی، تشنگی سچی تھی جو مانگا گیا، سب دیا، اور بے پروائی سے دیا، دل کھول کر دیا، علمی غیرت کی پشت پر یہ کتنا وزنی بوجھ تھا، کہ بحمد اللہ کا فارغ شدہ طالب العلم ایساغوجی اور میزان منطق کے درجہ کی کتابوں میں نئے سرے سے شریک ہو گیا، اور جو کچھ پڑھا ہوا تھا سب کو بے پڑھا ہوا بنا دیا گیا،

طلب و تلاش کے اس طویل و مبارک عہد میں کیا کیا واقعات پیش آئے، وہ ایک مستقل دفتر کا مواد ہے، انشاء اللہ آپ کی سوانح حیات کے مستقل تذکرہ میں ان کی تفصیل کیجائے گی، لیکن ان میں سے دو واقعوں کا ذکر غالباً بے محل نہ ہو گا، کہ اس سے استاذ و تلمیذ کے باہمی تعلقات کا ایک عجیب و غریب مرقع سامنے آجاتا ہے،

پہلا واقعہ | خاکسار جب حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ سے شرح ہدایۃ الحکمۃ خیرآبادی پڑھتا تھا، تو کتاب میں

کسی فقرہ کا ایک جزو "تقتضی الطبیعۃ الردالیہ" بھی تھا، میں جب عبارت پڑھتا ہوا، اس جزو پر پہنچا، تو حضرت مسکرانے لگے، میں بھی رک گیا، اس کے بعد ایک خاص انداز سے فرمانے لگے، کہ میں جب اس کتاب کو مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی سے پڑھتا تھا، تو خدا جانے کس بدخیالی میں مبتلا تھا، کہ "الردالیہ" کے دال کو واؤ مشدد خیال کرکے "روّالیہ" پڑھ دیا، فرماتے تھے، کہ ادھر منھ سے "روالیہ" نکلا، اور دوسری طرف میری کتاب دور پھینکی ہوئی تھی، مولانا عبدالحق آپے سے باہر ہوگئے، غصہ سے بدحواس ہو رہے تھے، اور جو جی میں آیا، فرما رہے تھے، یہاں تک کہ آخری حکم ہوا کہ "میرے درس سے تم ابھی اٹھ جاؤ، میں ایسے کم سوادوں کو قطعاً نہیں پڑھا سکتا" اندازِ طبیعت سے اپنے استاد کے حکیم صاحب واقف تھے، خاموشی کے ساتھ اٹھے، اور باہر چلے آئے، چند دن کی روپوشی کے بعد حاضری کی اجازت چاہی گئی، لیکن صاف جواب ملا، ہر قسم کی کوشش اور سفارش بہم پہنچائی گئی، لیکن جو گرایا گیا تھا، اس کا اٹھانے والا کوئی نہ تھا، بالآخر دو تین مہینہ کی جد وجہد کے بعد بصد حسرت ویاس، حضرت الاستاذؒ ٹونک اپنے وطن چلے آئے، حالانکہ ہندوستان کے متعدد شہروں میں اس وقت بڑے بڑے اساتذہ کرام موجود تھے، لیکن ع

پرسی کہ کرا خواہی از خیلِ بتاں جامی   چشمے ست مرا آخر غیر از تو کرا خواہم

کے سوا آپکے دل وزبان پر کچھ نہ تھا، وقفہ سے چند مہینوں کے بعد پلٹ پلٹ کر رامپور آتے، سعی وسفارش کی تمام زنجیروں کو ہلاتے، لیکن روٹھے ہوئے کا منانا آسان نہ تھا، وہ جو بھولے بسرے، برے بھلے دن گذر گئے، کون اندازہ کرسکتا ہے کہ کبھی علم کے کوچہ میں بھی، استاد کی بے نیازیوں، اور شاگرد کی نیازمندیوں کا یہ سلسلہ مہینہ دو مہینہ نہیں پورے دو سال تک جاری رہا، ف ع

اب کہاں سے لائیں وہ دشتِ جنوں پرور جہاں   رقص میں لیلی رہی لیلی کے دیوانے رہے

شوق یہ ہے، کہ طلب کی سچی پیاس اسی کا نام ہے، جن قوموں کی پیشانیوں پر بلندی کا ستارہ چمکتا ہے، ان کے یہاں اس قسم کی قربانیاں نادر نہیں ہوتیں، قصہ تو بہت طویل ہے، خلاصہ یہ ہے، بالآخر مولانا کے خدمتگار

نے حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بیش قرار رقم لینے کے بعد کچھ ایسے موقعہ سے سفارش کی کہ پورے دو سال کے بعد پھر علم کے اس دیوان خانہ میں باریابی کا موقعہ ملا، جہاں سے آپ ہمیشہ کے لیے جدا کر دیئے گئے تھے، علم کی وہ عزت کہ اسکی ایک غلطی نے ایک ہونہار شاگرد کو دو سال کی عقوبت کا مستحق قرار دیا، اور انسانوں پر وہ شفقت کہ ادنی خادم کی التجا پر اتنی قدیم خفگی زائل ہو جاتی ہے، یہ مولانا عبدالحق خیرآبادی کی شاہانہ اور فقیرانہ طبیعت کے امتزاجی آثار کا عجیب وغریب نتیجہ تھا، مولانا عبدالحق کی زندگی اس قسم کے متضاد آثار ونتائج سے بالکل معمور تھی، حضرت الاستاذ کثرت سے ان واقعات کا ذکر فرماتے تھے، کہ حضرت کی ذہنی بیداری کا حال تھا کہ نواب کلب علیخاں کا دربار ہی کیوں نہ ہو، کسی قسم کے لوگ کیوں نہ ہوں، لیکن لطیف سے لطیف نکتہ آپ کے دماغ کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتا، اور دلیری یہ تھی کہ دماغ میں جو خیال آیا کچھ ہی ہو جائے، زبان پر اس کا آنا ضرور تھا، واقعات تو بہت ہیں، لیکن ایک خاص واقعہ اس سلسلہ میں یاد آیا، فرماتے تھے نواب مولانا سے اشارۃً کبھی کبھی مذاق بھی کر لیا کرتے تھے، خصوصاً مولانا کی ذہانت اور حاضر جوابی سے لذت گیر ہونے کے لیے کوئی اس قسم کا واقعہ قصداً کرا دیتے تھے، کہ مولانا کی زبان سے ایسی باتیں بے اختیار نکلنے لگیں، ایکدن مولانا نواب کے دسترخوان پر تھے، نواب صاحب نے خادم کو اشارہ کیا، کہ ہڈیوں کو کسی رکابی میں جمع کر کے مولانا کے سامنے رکھدو، رکابی مولانا کے سامنے آئی، اور زبان پر یہ جملہ جاری تھا، خدمتگار سے فرما رہے ہیں، "تم غالباً مستحق کو نہیں پہچانتے ہو، اس رکابی کو ان ہی کے آگے رکھو" نواب کے نام کا پہلا جزء کلب تھا (کتا)، اس کی طرف اشارہ تھا، نواب اس قسم کے لطائف کے منتظر رہتے تھے، ندامت میں ڈوبی ہوئی تحسین کرتے رہے،

بہرحال نواب کے دربار میں جرأت ودلیری، حاضر طبعی، ذہنی بیداری کا یہ حال تھا، لیکن غریبوں، بیکسوں کے ساتھ آپ کی مسامحت اور سہل انگاری کی یہ حد تھی، کہ حضرت الاستاذ فرماتے تھے، کہ میں ایک زمانہ میں مولانا کے باورچی خانہ کا حساب لکھا کرتا تھا، نوکر نے پہلے دن حساب لکھاتے ہوئے، ایک جگہ کہا کہ لکھیے

پان ایک آنہ کے، پھر اور چند چیزوں کے بعد بولا کہ پنواڑی ایک آنہ، میں نے کہا کہ پنواڑی سے آخر پان ہی لئے گئے ہوں گے، پھر یہ ایک آنے کیسے، بولا کہ یہاں کا حساب تو یوں ہی لکھا جاتا ہے، میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور شکایت کی، نہایت سنجیدگی سے فرمانے لگے، کہ تم بڑے نادان ہو، حکمت کی بنیاد دعرضی حیثیات اور عبارات پر قائم ہے، بحیثیت پان کے اس نے ایک آنہ لیا، اور بحیثیت پنواڑی کے کیا دوسرا آنہ نہ لیتا؟ لولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ فلسفہ کا عام اصول ہے، اسی نوکر نے مولانا عبدالحق خیرآبادی کو یہ باور کرادیا تھا کہ بنگلے بٹیروں کو نگل گئے، اور مولانا ہرانے والے سے اس کے بعد اس واقعہ کا ذکر فرماتے اور کہتے، کہ فلاسفہ تداخل کو محال سمجھتے ہیں، لیکن میرے نوکر کا یہ مشاہدہ ہے کہ بٹیریں بگلوں میں کچھ اس طرح سے داخل ہوگئیں کہ بگلوں کا نہ حجم بڑھا، نہ اس کے حیز میں کوئی تبدیلی ہوئی، باخبری کے ساتھ بے خبری کے عجیب نظائر ہیں، بہار کے مخدوم حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں کسی گم گشتہ جماعت کا حال ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں،

"گفتند و نہ گفتند، شنوند و نہ شنوند، رفتند و نہ رفتند، نشستند و نہ نشستند، در بود ایشان بود نہ بود، در گفت ایشان گفت نہ بود، گویندگان گنگ بودند، در شنود ایشان شنود نہ بود، شنوندگان کر بودند۔"

اور کسی زمانے میں ایسے محیر العقول نفوس کی مسلمانوں میں کمی نہیں تھی، خیر ان واقعات کا کہاں تک ذکر کیا جائے، میں تو حضرت الاستاذ کے عہد طلب کے واقعات بیان کر رہا تھا، جنمیں سے ایک گذر گیا، دوسرا واقعہ اسی کے بالمقابل یہ ہے، کہ رامپور میں کسی طالب العلم نے جرم قتل کا ارتکاب کیا، پولیس نے شبہ میں جن جن لوگوں کو پکڑنا چاہا، اس میں بدقسمتی سے کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے کہ حضرت الاستاذ کا نام بھی درج ہوگیا، آپ کو جب اپنے متعلق پولیس کے اس اشتباہ کی خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوئے کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی، سیدھے مولانا عبدالحق کی خدمت میں پہنچ گئے، مولانا نے آپ کو سراسیمہ

پاکر دریافت کیا، واقعات بیان کئے، سننے کے بعد خیرآباد کے عالم جری کی زبان پر یہ الفاظ کڑک رہے تھے،

"کس کی مجال ہے کہ تم پر کوئی ہاتھ ڈالے اطمینان کے ساتھ یہاں بیٹھو، دیکھوں کوتوال تمھیں کس طرح گرفتار کرتا ہے۔"

ابھی مولانا یہ فرما ہی رہے تھے، کہ کوتوال شہر مولانا برکات احمد صاحب کی جستجو میں حضرت کے مکان کا ارادہ کرکے اپنی دوڑ کے ساتھ جھرد کے سامنے نمودار ہوا، چہرہ پر نگاہ پڑی اور اس کے بعد بدترین گالیوں، اور توہینی الفاظ کا ایک سمندر تھا جو ابل پڑا، نہ صرف کوتوال ڈانٹا جارہا تھا، بلکہ کوتوال سے زیادہ نواب کلب علیخاں کے نام سے صلواتیں ہورہی تھیں، فرماتے جاتے کہ تو خود کیوں آیا ہے اپنے نواب کو کیوں ساتھ نہیں لایا" کوتوال حیرت سے کھڑا، حضرت کا منہ تاک رہا تھا، اور الٹے پاؤں غصہ میں کانپتا ہوا سیدھے نواب صاحب کی ڈیوڑھی پہنچا، اور ساری داستان من وعن نواب صاحب کو سنائی، سب کچھ سننے کے بعد، نواب مرحوم نے اس کے بعد جو جملہ فرمایا وہ علم و دولت کے باہمی توازن کا ایک عجیب وغریب اعترافی فیصلہ تھا، فرمانے لگے،

"بھائی! غلطی تو تمھاری تھی کہ تم نے ایک ایسے شخص کے مکان پر حملہ کردیا، جو کلب علی کو بھی گالیاں دے سکتا ہے، سچ تو یہ ہے اگر میری کوئی فضیحت ہوئی بھی ہے، تو اس کے بانی تم ہو، نہ مولانا، تم نہ وہاں جاتے، نہ یہ باتیں سنائی جاتیں۔"

خونی تیمور کے متعلق تاریخوں میں پڑھا تھا کہ تفتازانی کے قلم کے آگے اس نے اپنی بے پناہ تلوار کو بھی یہ کہکر نیام میں رکھ لیا تھا، کہ "افسوس کہ جن جن ممالک کو میری تلوار نے فتح کیا ہے تفتازانی کا قلم مجھ سے پہلے ان کو فتح کرچکا تھا۔"

لیکن کیا نواب کلب علیخاں کا علمی شکوہ کے آگے، اپنی حکومت کی پیشانی کا ٹیک دینا تیمور کے واقعہ سے کسی طرح کم ہے، گذر گیا، اور وہ زمانہ ابھی گذرا کہ عالم اسلامی کا خلیفۂ اکبر، یورپ و ایشیا کا سلطان

حاکم، ایک ہندی[1] رحمہ اللہ کے آگے جوتیاں سیدھی کرتا تھا، علم جب جسم کے لیے نہیں، بلکہ علم کے لیے تھا، اس وقت اگر جسم علم سے دبا ہوا تھا، تو یہی ہونا بھی چاہئے تھا،

بہرحال حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے عہدِ طلب و تعلم کے واقعات جنھیں اکثر میں نے ان کی زبانِ مبارک سے سنا، اس قدر کثرت سے ہیں کہ ان کے لیے حضرت کے مستقل تذکرہ کا انتظار کرنا چاہیے، اس وقت ان دو واقعات کے پیش کرنے سے بھی میرا مقصد فقط اس قدر تھا کہ علم کے اس تجارتی عہد میں لوگوں کو اندازہ ہو سکے کہ کسی وقت بدقسمت ہندوستان میں بھی قلم کا پھریرا عزت کی کتنی بلند چوٹیوں پر لہرا رہا تھا،

استاذ کے ان لامحدود حقوقِ مسلمہ کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ کسی سبق سے غیر حاضری نہیں، کسی درس سے غفلت نہیں، بلکہ عمر بھر میں ایک دفعہ کی غیر متوقع جہالت طالب العلم کو دو سال کی سزا کی مستوجب بنا دیتی ہے، اور سعادتمند شاگرد، اپنی کشادہ پیشانی کے ساتھ استاذ کی سزا کو جھیل لیتا ہے، جس دور میں طلبہ کے لیے استاذ کی سو باتوں میں سے صرف (۳۳) باتوں کا سننا ضروری قرار دیا گیا ہو اپنے کو بازار میں بیچنے کے لیے کسی عالم کے درس کی صرف پچھتر فی صدی حاضری اور وہ بھی فرضی حاضری ان علمی ساہو کاروں کو

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

[1] صاحب دعوت الحق مولانا رحمت اللہ ہندی مہاجر مکی کے متعلق حضرت مولانا محمد علی صاحب قدس سرہ العزیز بانی ندوۃ العلما فرماتے تھے کہ جب پادری فنڈر ہندوستان میں شکست کھا کر قسطنطنیہ پہنچا اور علمائے اسلام کو مناظرہ کی دعوت دی، تو سلطان عبد الحمید خاں مرحوم نے مکہ معظمہ سے مولانا رحمہ اللہ کو خاص جہاز پر قسطنطنیہ بلوایا، فنڈر ان سے ہندوستان میں ہزیمت کھا چکا تھا، صورت دیکھتے ہی بھاگ گیا، سلطان کو انکے علمی رعب کا یہ حال معلوم ہوا تو جب کبھی وہ دربار شاہی میں جاتے، رخصت کرتے وقت سلطان ان کی جوتیاں خود ہی اپنے ہاتھ سے سیدھی فرما دیتے، تغمدہ اللہ بغفرانہ

کی دقیق ذمہ داریوں سے کون واقف بنا سکتا ہے، طالب العلمانہ نزاکتوں کا ایک نظارہ تو یہ تھا، لیکن آپ نے دیکھا کہ اس کے ساتھ ساتھ استاذانہ شفقت اور فرائض کی کوئی انتہا ہے، کہ ایک معمولی طالب العلم کی عزت کا معلم کو اتنا پاس ہے کہ وہ حکومت سے ٹکراتا ہے، دولت سے ٹکراتا ہے، اپنے رزق سے ٹکراتا ہے، الغرض طالب العلم کو بچانے کے لیے ہر چیز کے بچانے سے استاذ دست بردار ہو جاتا ہے، یہی وہ تعلقات تھے کہ رفتہ رفتہ استاد باپ اور شاگرد بیٹے کے درجے تک پہنچ جاتے تھے، لیکن طالب العلم نہیں، بلکہ طالبِ سند شاگردوں سے علم کے دینے والے نہیں، بلکہ صرف تنخواہ کے لینے والے اساتذہ کیا توقع رکھتے ہیں،

الغرض شوق و محنت و لولہ و عزم کے متلاطم جذبات میں ڈوبتے ابھرتے ہوئے، حضرت الاستاذ نے تقریباً دس گیارہ سال کا زمانہ خیرآبادی چوکھٹ کی جبین سائی میں گذار دیا، علمی حرص و بے قناعتی کا یہ حال تھا کہ ایک، ایک کتاب کو مولانا عبد الحق کی خدمت میں حضرت نے متعدد بار پڑھی، حمد اللہ کے متعلق مجھ سے فرماتے تھے کہ تین دفعہ اس کو سمعاً و قرأۃً پڑھا اور سنا، اس زمانہ میں عام طلبہ درس نظامیہ کی کتابوں کا ختم کر لینا، فراغت کے لیے ضروری سمجھتے تھے، لیکن حضرت الاستاذ کے بلند حوصلہ کے سامنے درس نظامیہ قطعاً ناکافی تھا، اصرار کرکے آپ نے مولانا عبد الحق سے خارج از نصاب کتابیں پڑھیں، جنھیں بعض تو خود مولانا عبد الحق کی تالیف سے تھیں، مثلاً جواہر غالیہ شرح ہدایت الحکمۃ، وغیرہ اور زیادہ ایران و خراسان کے ان فلاسفہ اور مناطقہ کی کتابیں تھیں، جو مدت ہوئی تھی، کہ ہندوستانی نصاب سے خارج ہو چکی تھیں ان کتابوں میں شفاء ابن سینا، شرح اشارات طوسی، افق المبین، حواشی دوانی، حواشی مرزاجان، و خوانساری مؤلفات قوشجی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، ان کتابوں کا ایک تیسرا حصہ اس وقت تک مخطوط اور غیر مطبوع ہے، اور یوں تقریباً ایک قرن کا زمانہ عقلیات کی تحصیل میں بسر کرکے

شکر کہ جمازہ بہ منزل رسید

(باقی)

فلسفہ کب سے معرضِ وجود میں آیا

از

جناب مولوی سید ابوالقاسم صاحب رضا حیدرآباد دکن

سید صاحب ممدوح شعر و فلسفہ کے "مرج البحرین" ہیں، وہ خیابانِ فلسفہ کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہیں، ذیل کا مضمون اسی کتاب کا پہلا باب ہے، فلسفہ کی خشکی مشہور ہے، پھر اردو جس میں ابھی نئی اصطلاحیں رواج نہیں پائی ہیں، اور زیادہ وہ خشک ہو جاتا ہے، تاہم یہ نہیں ہوتا کہ مریض کے منھ بنانے سے اس کو دوا پلانا لوگ چھوڑ دیں۔

"معارف"

سیر آفرینش اس وقت تک جتنے منازل طے کر چکا ہے اگر کل ادوار کی تجلی ریزیوں کا سرمایہ خوش قسمتی سے ہمارے پاس محفوظ ہوتا تو استفسارِ بالا کی حقیقت ہاتھوں کی لکیروں کی طرح واضح ہو جاتی خیر وہ صورت تو محال کے ہم آغوش ہے، لے دیکے عمرانیات کا وہ ناقص اور نامربوطی کے کرم سے بریز موقع جو ہمارے دستِ معلومات میں باقی رہ گیا ہے اب اس کی ورق گردانی پر مدارِ کار کا انحصار اور جو کچھ بھی ہی اسی سے امید بندھتی ہے کہ مسئلۂ زیرِ بحث کی گتھیاں سلجھانے میں شاید اس سے کچھ نہ کچھ مدد ملے۔

ادوارِ ماضیہ کے وہ خاموش خلوتکدے جہاں بچا کھچا ہوا سرمایۂ علم و حکمت باقی رہ گیا ہے، آؤ دیکھیں کہ اس میں فلسفہ کا بھی کچھ پتہ چلتا ہے کہ نہیں، اس ذوقِ تفتیش کے لیے ابتدائے آفرینش کے اہم مسئلہ کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے، ہمنستانِ وجود کی نسبت جتنے منھ ہیں اتنی باتیں، لیکن خیالات کے اختلاف پر بھی سب کا قدرِ مشترک یہی نکلتا ہے کہ باغبانِ حقیقی کے سوا اور کوئی متنفس اسکی تعیینِ مدت پر قادر نہیں،

ایک نہایت سال خوردہ مذہب اپنے یہاں کے تنزیلی ویدوں سے لکھو کھا برس کی غیر منقطع مدت عرصہ گیتی کی ہنگامہ آرائی کے لیئے ثابت کر رہا ہے، دوسری طرف کسی مستفسرِ وجود کے بار بار کے اصرار پر بانی ملت بیضا کا چالیس مرتبہ وجود سے قبل وجود کا جواب، اور اسلام آرا سے بہت پہلے ایک اور اولوالعزم مبلغ کا تحیر زا نیرنگی قدرت کے تماشے دیکھنے کے لیے کسی سنسان بیابان کے اندر اد پہنچکر کنکری پھینکنا، استفسار نام کی صدا برآمد ہونے پر اظہارِ علمیت کے ساتھ بار دیگر کنکری پھینکنے پر اس حیرت آفریں آواز کا گوش زد ہونا کہ نام کا نی نہیں مزید توضیح کی ضرورت ہے، اتنے لاکھ برس کے بعد اسی طرح اسی لب و لہجہ کا شخص یہاں آکر اپنا یہی نام بتایا کرتا ہے؛

بیان مذکور اور اس روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نامعلوم زمانہ سے یہ ہستی کی نمایش یونہیں چلی آرہی ہے، اس مسئلہ کی عدم تعیین قیاسات کو یہ کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہستی کا گھر یونہیں اجڑ اجڑ کر بسا اور آباد ہو ہو کر ویران ہوا، موجودہ تمدن کے ابوالبشر سے پہلے ہزاروں لاکھوں ہر ہر تمدن کے ابوالبشر یکے بعد دیگرے ایک خاص زمانہ تک وجود کی کارواں سرائیں برابر آآکر ٹھہرے اور ختم مدت کے ساتھ روانہ ہو گئے، اسی طرح ہر ایک ابوالبشر کا سلسلۂ تمدن بھی ایک معین زمانہ کے بعد روپوش ہوتا رہا۔

علمائے طبقات الارض کی تحقیق

اس وقت اربابِ مغرب نے چونکہ ہر قسم کی تحقیق و انکشاف کا بیڑہ اٹھایا ہے اور ان کی آئے دن کی موشگافیاں کامیابی عزم کے ثبوت میں پیش کیجاتی ہیں، اس لیے مناسب ہے کہ ساتھ ہی ساتھ علمائے طبقات الارض کی جگر کاویوں پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈالتے چلیں کہ اس بابِ خاص میں ان کے شہبازِ تحقیق کی منتہائے پرواز کہاں تک ہے،

زمین کے ہر ہر طبقہ کی جانچ پڑتال سے ان کی تنقید کا آغاز ہوتا ہے، ان کا بیان ہے کہ بعد تخلیق حرارت مفرطہ کے سبب سے جرمِ ارض کی ذوبانی کیفیت نہیں سوزش و التہاب سے چاروں طرف اک سحاب

دخانی چھایا ہوا تھا اُدھر بطنِ ارض مادۂ آتشین سے لبریز تھا، جوشِ مادہ اور اس کے رہ رہکر کروٹیں بدلنے سے جابجا فراز و پستی کی صورتیں پیدا ہوگئیں، مقاماتِ مرتفعہ سلسلۂ جبال اور میدان بنے، نشیبی حصوں میں دریا نے گھر بنایا، ابخروں کا بادل جو مدت سے گھرا ہوا تھا اس نے ابرِ کرم بنکر دم بھر میں جل تھل بھر دیے، بیروں از احصا قرنوں کے بعد بخارات کی وجہ سے زمین جو کرۂ آتشین بنی ہوئی تھی اس کی رفتہ رفتہ حرارت کم ہوتی گئی یہانتک کہ اس کے مزاج میں ایک اعتدالی کیفیت پیدا ہو چلی، موالیدِ ثلاثہ میں سے صنفِ جمادات پہلے ہی وجود میں آچکی تھی اب اس کی دوسری قسم یعنی نباتات کی باری آئی اور اس کی روئیدگی نے سطحِ ارض کو لالہ زار بنا دیا،

احجارِ آبی کی دبازت چٹانوں کا آب رسیدہ اوراق کتاب کی طرح باہمی الصاق دفعۃً نہیں ہوتا، بلکہ نامعلوم آہستگی سے اس کے قدم آگے بڑھتے ہیں، ان چٹانوں کا مادہ بیشمار قرنوں میں اجزاے زمین کی تحلیل سے اس طرح فراہم ہوا کہ نالوں اور ندیوں کے مسلسل بہاؤ کی قوت نے ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجا کر اسے ڈالدیا جس سے یہ تہ بہ تہ جمتا چلا گیا، زمین کے تحلیل شدہ اجزا کی جو تہ کسی ساحل پر دریا اب جما دیتی ہے پوری ایک صدی میں اس کی دبازت چند انچ سے آگے نہیں بڑھتی، تو وہ تہ جس کی دبازت تدریجاً کئی ہزار گز پر پہنچی ہو اس کے تدریجی عملِ انطباق میں کس حد پر مرورِ ادوار کی ضرورت پیش آئی ہوگی، ساحلِ مصر کی نوعیت دو ہزار سال بیشتر سے بنی نوع انسان کی چشمِ تحقیق کے سامنے ہے، اس دور میں دریاے نیل کے دوشِ امواج پر تحلیل شدہ اجزاے زمین کا پشتارہ برابر لا لا کر ڈالنے سے ساحل پر یہ نمایاں اثر ظاہر ہوا کہ مجبوراً بحرِ روم کو عقبی سمت میں ہٹنا پڑا مصر کا پورا شمالی حصہ اس طرح بحریت سے بریت میں منتقل ہوتا رہا، بحرِ مسیسپی کے دہانے سے متصل خلیجِ میکسیکو کے ساحل کو تین برس سے فنِ طبقات الارض کے ماہر برابر دیکھتے چلے آتے ہیں، مگر یہ وسیع مدت بھی ساحل کی نمایاں پیشقدمی کے لیے کافی نہ ہو سکی، حالانکہ ایک وہ وقت تھا جبکہ سینٹ لوئیس کے قریب مقام موجودہ سے اس دریا کا دہانہ سات سو میل کی مسافت پر

پر قائم تھا، کسی مقام کی تخصیص نہیں تمام ممالک کے دریا نہایت آہستگی سے خشکی کی طرف بڑھتے ہوے چلے آتے ہیں، یہ عملِ سرقہ اس اخفا اور خاموشی سے ہو رہا ہے کہ روزمرہ کے دیکھنے والوں کو جس کی کانوں کان خبر تک نہیں، اس خیانتِ مجرمانہ کے اظہار اور اس راز کے طشت از بام ہونے کے لیے قرونِ متعددہ اور مرورِ عہود کی ضرورت ہے، ندیوں اور جھیلوں کا تحلیل شدہ اجزاے ارضی کے تدریجی اجتماع اور عملِ انطباق سے جادۂ ہموار بنجانا، موسلا دھار بارش کے اثر سے پہاڑوں کا تحلیل ہو ہو کر آبِ سیال کی صورت اختیار کرنا، طغیانِ امواجِ بحار سے ساحلوں کا تدریجاً پیچھے ہٹنا، سنگین بنیادوں میں آہستہ آہستہ پانی کا سرنگ لگانا، بادو باران کے پر زور عمل سے چٹانوں کی رفتہ رفتہ فرسودگی وغیرہ وغیرہ کی تحقیق کرتے وقت بھی سابقہ نتیجہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے، احجارِ آبی کی تہیں جو آپس میں ملی ہوئی نظر آتی ہیں ان کی علتِ تامہ جو بھی قرار دیجاے مگر اس امر میں ادنیٰ تامل کی گنجایش نہیں کہ طبقات زیرِ تذکرہ کی ہیئتِ ترکیبی کا ظہور و شہود محدود مدت کا منت پذیر نہیں بلکہ اس حد پر ادوار وغیرہ کا سرمایہ خرچ ہو چکا ہے جس کا شمار محاسبِ فہم کے امکان سے باہر ہے، ویلز کے وہ طبقاتِ زمین جو زغال حجری کے معدن بنے ہوئے ہیں، کوئلہ نکالنے کی وجہ سے ان کی گہرائی آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے بارہ ہزار فٹ تک قعرِ ارض میں پہنچی، اس عمل میں ایسی تدریج شریک ہے کہ ہر ہر طبقے کے نخلستان تلے اوپر اس طرح موجود ہیں کہ کسی قسم کا ان میں تغیر نہیں، چار ہزار پانسو پندرہ فٹ کی دبازت اس قسم کے سترہ طبقوں کو گھیرے ہوے ہے، اشجار کی جسامت اور تنہ سے ان کی عمر کا پتہ چل سکتا ہے، بعض بعض درختوں کے تنے کا قطر چار چار فٹ تک پایۂ تحقیق پر پہنچا، زمین جب دھنسنا شروع ہوئی تو اشجار بھی دھنستے ہوے زمین کی معیت میں تدریجاً روپوش ہوتے گئے، ان درختوں کے گرد جو پودے اُگے ہر طبقہ میں درجہ بدرجہ اور اشجار کی طرح یہ بھی نباتی زندگی بسر کر رہے ہیں،

سڈنی کے طبقۂ زغال کا حال سنکر شاید ناواقفوں کو حیرت ہوگی، کہ ایک نہیں پورے انسٹھ

زمین دوز صحرا تنے اوپر موجود ہیں، براعظموں کے اندرونی حصے کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر دریائی سیپیوں کا پایا جانا اس امر کی قوی شہادت ہے کہ قطعات ارضی میں سے ہر قطعہ اپنی سطح اور جغرافیائی تغیر و تبدل کی وجہ سے انقلابِ عظیمہ کا سرچشمہ بنا رہا ہے، کبھی وہی ایک لق و دق میدان بنا اور کبھی تغیر کی بدولت شیریں چشمے کی موجیں اس کے سینے پر لوٹتی رہیں، کبھی آبِ شور کی تلخ و ناگوار سبیل مدت دراز تک اس پر رکھی رہی، یہ تغیر زائیاں محدود مروّ ایام سے ایسی بالا تر ہیں کہ ان کی تکمیل لاکھوں برس کی غیر معمولی مدت کے بغیر کسی طرح نہیں ہوتی،

تمام احجار کے اجزاے ترکیبی باہم ایسے مختلف ہیں جنسے اس تحقیق تک رسائی ہوئی کہ بعض محض عملِ آب سے بنے اور بعض بطنِ ارض کے کھولتے ہوئے خارج شدہ مادہ سے بنے اور کچھ حرارت اور دباؤ کے باہمی عمل سے وجود میں آئے، اس طرح سلسلۂ تفحص سے ان کی تین قسمیں ظاہر ہوئیں.

(۱) احجار مائی.

(۲) احجار ناری.

(۳) احجار مستحیلہ

اول الذکر کے متعلق تفتیش کی گئی کہ اس کی دبازت کتنی ہے، اس کی مختلف تہیں جو ایک دوسری پر جمتی چلی گئی ہیں ان کے میلان کی سمت کیا ہے، ہر ایک تہ کی دوسری پر قیام کی کیا صورت ہے، آبِ شیریں کے عمل سے بنے ہوئے طبقوں کا آبِ شور سے ترکیب پائے ہوئے طبقات کے ساتھ وصل و الصاق کا کیا طریقہ ہے، اسبابِ تحلیل کے پُر قوت اثر سے مادۂ زمین کے بڑے بڑے کوہ تمثال انباروں کا تدریجاً منتقل ہو ہو کر وسیع جغرافیائی حدود کو کچھ سے کچھ کر دینے کا کیا سبب ہے، براعظموں کی سطحوں میں نشیب و فراز کس طرح ظاہر ہوا ہے، بہت سے ساحل ایسے ملتے ہیں کہ بڑھتے بڑھتے پانی نے دور تک خشکی کو تری کی آغوش میں لیلیا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ اندر ہی اندر خشکی پانی کو دباتی ہوئی دھکیلتی ہوئی آگے چلی آرہی ہے، یہ مسئلہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ حرارت ارضی میں یکسانیت نہیں ہر دور میں اس میں کچھ نہ کچھ گھٹ بڑھ ہوتی رہی ہے، بعض ادوار میں مقدار

حرارت غیر معمولی درجہ تک پہنچی اور بعض میں یہ حالت ہوئی کہ کمی حرارت و اشتدادِ برودت کی وجہ سے قطبین کی برف باری نے موجودہ براعظموں کے بڑے بڑے حصوں کو برفستان بنادیا، یہی وجہ ہے کہ ان ادوار کو ازمنۂ زمہریریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، زمین کے طبقات کا کھوج لگانے کے بعد موالید ثلاثہ کی سرحد بہت قریب آجاتی ہے، اور اس امر کے ثبوت کا سلسلہ آسانی سے مسلسل ہو جاتا ہے کہ نباتی اور حیوانی اجسام سابقہ ہیئت و صورت سے نردبانِ ارتقا کے سہارے موجودہ شکلوں تک پہنچے ہیں اور ہمارے زمانہ کی نباتی اور حیوانی ہستیاں جنسے مادرِ ارض کی گود بھری ہوئی ہے عصرِ عتیق کے کثیر التعداد نباتی اور حیوانی شکلوں کے مقابلہ میں یہ کل کی کل اتنی بھی نہیں جتنا آٹے میں نمک، اس زمانہ میں اگر ان کی ایک نوع باقی ہے تو اس سے پہلے ان کی ہزار ہا نوعیں قعرِ فنا میں گر کر بے نام و نشان ہو چکی ہیں، زمین کے طبقوں سے آثار متحجرات جو نکل چکے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیوانات کی بعض نوعیں اپنے خصوصیات کے اعتبار سے اس حد پر نمایاں نہیں کہ بغیر ریڑھ کی ہڈی کے جاندار، ریڑھ کی ہڈی والے جانور، دودھ پلانے والے جاندار یہ اصطلاحیں عام طور پر زبان زد ہو گئیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر نوع جدید دفعۃً منصۂ ظہور پر آگئی، نہیں تدریجاً ہر نوع اس طرح وجود میں آئی کہ پہلے اس کا صرف آغاز ہوا اور پھر نشو و نما کا سلسلہ تدریجی مرحلے طے کرتے کرتے منتہاے کمال پر پہنچا، درجۂ تکمیل پر فائز ہوتے ہی انحطاط شروع ہوا اور یہ تنزل آہستہ آہستہ ترقی پکڑتا گیا یہانتک کہ فنا کی ٹھوکر سے اس کی ہستی کا کھلونا چکنا چور ہو گیا، آج تک دنیا نے کسی چیز کو تکمیلی صورت میں یک بیک ظاہر ہوتے ہوے نہیں دیکھا، ہر وجود نہایت وقار و متانت سے تدریج کی بدولت اپنی پہلی ہیئت کو چھوڑ کر موجودہ شکلِ ترقی تک پہنچتا ہے،

دورِ ثالث کے اختتام مدت پر نامعلوم اسباب کی وجہ سے زمین کے نصف کرۂ شمال کی حرارت انحطاط کے ایسے غیر معمولی درجے تک پہنچ گئی کہ تابستان کرۂ زمہریر بنگیا، خاص مدت کے بعد حرارت رفتہ پھر ملٹی اور برف کے سر بفلک پہاڑ جو آگے بڑھ آئے تھے سوزشِ حرارت سے گھل گھل کر پیچھے ہٹنے لگے اس کے بعد

بڑھی ہوئی حرارت پھر کم ہوئی اور تودہاے برف نے پھر قدم آگے بڑھایا، غرضکہ دور رابعہ کی ابتدا ہوئی اور موسم بدلتے بدلتے اعتدالی حالت پر پہنچا،

چوتھے دور کے آغاز میں بحر و بر عجیب الخلقت جانوروں کی نسلوں سے آباد تھا، موسموں کے تدریجی انقلابات سے ان کی سابقہ نسلیں معدوم ہوتی گئیں اور ان کی جگہ اور قسم کے جاندار پیدا ہوگئے، موسمی تغیر نے رفتہ رفتہ جس طرح پہلی نسلوں کو نیست و نابود کیا تھا وہی طرز عمل ان نئے مہمانوں کے ساتھ بھی بدستور قائم رکھا، دور رابعہ میں مدت تک برفانی بارہ سینگے کا مسکن وسطِ یورپ بنا رہا لیکن ایک زمانہ کے بعد تدریجی اسباب کے اجتماع سے مقام مذکور کی معینہ مقدار برودت میں اس حد پر حرارت شریک ہوگئی کہ اقطاع شمالی کے مقامات باردہ میں مجبور ہو کر اسے وطن بنانا پڑا، ماہرین فن کے نزدیک، اس حیوان کی یہ ہجرت دور رابعہ کے اختتام کی تاریخ ہے، زمین کے بعض طبقوں سے جدِ انسان کے ڈھانچے اور اس کی صناعی کے نمونے مثل ترشے ہوئے پتھر اور ہڈی اور کانسی کے مختلف اوزار برآمد ہوئے، جس سے پتہ چلا کہ اس وقت انسان جامۂ تمدن سے بالکل برہنہ تھا، اس کی ایام گذاری وحشیوں کی سی تھی، دورِ ثالث میں اس کے وجود کا پتہ اس شہادت سے ملتا ہے کہ وہ جنوبی ہاتھی اور قوی الجثہ دریائی گھوڑوں کا ہمعصر تھا، اسکاٹلینڈ کی سرزمین پر بڑے بڑے مٹی کے ٹیلوں اور تودہاے ریگ میں انسان اور ہاتھی کے متحجرات مدت مدید سے دبے ہوئے چلے آتے تھے، جسے ماہرین کی جستجو اور کوشش نے نکالکر دریافت کیا کہ یہ اس وقت کے آثار ہیں جبوقت برودت مفرط کا لشکر جرار سپید وردیاں پہنے ہوئے یورپ کے بہت بڑے حصے پر پھیلا ہوا تھا جس نے قطب شمالی سے بڑھکر جنوبی ممالک کے بعض بعض حصے بھی دبا لئے تھے، کفِ دست میدان سے لیکر تیغ کوہ تک اس لشکر کی چھاونیاں قائم تھیں، حیوانات کی بیشمار نوعیں اسی ہنگامہ میں گھلکر رہ گئیں، مگر ایک انسان ہی ایسا سخت جان اور بے فکرا تھا کہ ان آفتوں پر بھی ساغرِ ہستی اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹا،

عصر عتیق میں جبوقت انسان ساگ پات کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ رہا تھا اس حالتِ دہشت میں

بھی اس کی کتاب معلومات کے پہلے ہی صفحہ پر آگ روشن کرنے کی ترکیب درج تھی، یہ وہ روشن پیشینگوئی تھی کہ آگے بڑھکر تہذیب و تمدن کے زرنگار محلوں میں انسان کا نظر فروز زندگی بسر کرنا لازمی تھا، اگرچہ انسان کی یہ ایجاد اولین اس وقت کے لحاظ سے حقارت اور بے وقعتی کے مرادف ہے، اگر وہ ادوار متمدنہ جنھیں انسانی کو نقش معلومات زریں کے خرمن لگاتی چلی آئی ہے از سر نو ان کی ترتیب فہرست کا سلسلہ چھیڑ دیا جائے تو یقیناً جو لکر بھی اس اکتشاف اولین کا کہیں ذکر تک نہ آئے گا، مگر انصاف یہ ہے کہ ظلمتکدۂ جہل میں پہلے پہل کی اختراع کی اتنی روشنی بھی بہت کچھ سمجھنے کے قابل ہے، ہڈیوں اور سیپیوں کے بڑے بڑے ٹیلے جنھیں آلات حجری کا اسلحہ خانہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا، ان میں بعض ازمنۂ نخاسیہ سے بھی پیشتر کے معلوم ہوئے ہیں جنھیں آگ جلانے کے نشانات کا اچھی طرح پتہ چلتا ہے، زمین کے اوپر کی تہوں کے ہٹانے سے صنعت انسانی کے نمونے برآمد ہوئے جنسے انسان کے سلسلۂ حیات کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے، سطحِ ارض سے کچھ نیچے کانسی کے اوزار اس سے بڑھکر ہڈی یا سینگ کے، اور اس سے نیچے ترشے ہوئے پتھر اور اس سے آگے بڑھکر ان گھڑ پتھر کے آلات ماہرین کے ہاتھ آئے، جن طبقوں سے صنائع بشری کا یہ اثاثہ نکلا ہے ان میں بعض کی مدت چالیس پچاس ہزار کی بیان کیجاتی ہے،

فرانس اور دوسری مملکتوں کے عمیق غاروں میں صنعت انسانی کا مال متروکہ اس کثرت سے ماہرین کی نظروں سے گذرا کہ حیات بشری کے ابتدائی سلسلۂ ارتقا کی چند کڑیاں مسلسل ہوگئیں، برچھے، چھریاں، تیر کے پھل، رانبیاں، ہڈی کی سیپیاں، ہتوڑے، کلہاڑیاں ازمنۂ حجریہ کے یہ اوزار انسانی طرز ماندو بود کا آئینہ ہیں، تیر کا پھل دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت بشری کمان بنا چکی تھی اور اس کے ذریعہ سے شکار کھیلنے کا آغاز ہو چکا تھا، برچھوں اور چھریوں سے پتہ چلتا ہے کہ محاربانہ اصول کا بھی انسان ماہر ہو چکا تھا اور ایسے اوقات میں یہ اوزار استعمال کیے جاتے تھے، کلہاڑیوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ درختوں کے کاٹنے اور لکڑیوں کے چیرنے کا کام بھی شروع ہو چکا تھا، خار دار پیکان اس امر کی دلیل ہیں

کر قوتِ ایجاد گھٹنیوں چلنے لگی تھی، ہڈی کی سینیوں سے یہ نتیجہ قیاس اخذ کرتا ہے کہ شکار کھیلنے میں متعدد افراد
کی شرکت ہوتی تھی یا تعدد نہ بھی تو کم سے کم شکار کرنے والے کا قناعت پسند کتا تو اس کے ساتھ ضرور ہوتا تھا
رانپیوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لباس انسانی میں چمڑے کا صرف ہونے لگا تھا، بھدی سوئیوں سے یہ شہادت
بہم پہنچتی ہے کہ لباس کی سلائی کا آغاز ہو چکا تھا، اس وقت کی آرایش وزیبایش کی سراغرسی بھی اس امر سے
ہوتی ہے کہ چھدی ہوئی سیپیوں کی چوڑیاں اور مالے بنا کر زینت و خود نمائی کے لیے استعمال کئے جاتے
جاتے تھے، رنگسازی کے آلات اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ بدن گود کر رنگ بھرنے کا رواج پھیل
چکا تھا، ہاتھی دانت کی تختیوں پر اس وقت کے جانوروں کی بھدی تصویریں قدیم انسان کی مصوری
کی نوعیت ظاہر کرتی ہیں، اس دور کے حیوانات کی سنگی مورتوں کے معائنہ سے اس کی سنگتراشی کی استعدادِ
اولین کا اظہار ہوتا ہے، سوئٹزرلینڈ کی وہ جھونپڑیاں جو پانی کے اندر بڑے اہتمام سے بنائی جاتی تھیں
ان کے متعلق بعض ایسے آلات دیکھنے میں آئے جن سے معلوم ہوا کہ ان آب دوز اماکن کی ازمنۂ حجریہ سے
ابتدا ہوئی اور ازمنۂ نحاسیہ تک ان کا قیام رہا، ازمنۂ نحاسیہ کے فرسودہ آثار سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ
اس دور میں انسان کھیتی باڑی کرنے لگا تھا، بہرطور آبشارِ حیات جب سے بھی محوِ ترنم ہو ہمارے ابنائے
جنس کا نتیجۂ دست و قلم جو ہم تک پہنچا ہے اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ادوارِ متمدنہ کے سلسلے میں
مصر کا تمدن سب سے پیش پیش ہے، اہرامِ مصری کی صفوں میں کچھ اہرام اس نامعلوم دور کی یادگار
ہیں جنکی مدتِ آغاز کی تعیین سے خود تاریخ دم بخود ہے، خدا ہی جانے کہ طلوعِ صبحِ آفرینش کے کتنے بعد سے
ایوانِ وجود کی نگہبانی کے لیے استحکام کی وردیاں پہنے ہوئے یہ قومی ہیکل کشیدہ قامت پہرہ دار معین
ہیں جنکی استقامت کا یہ عالم ہے کہ بے شمار ادوار گذرنے پر بھی اس وقت تک ان کے پاے ثبات میں ادنی
لغزش نہیں جس طرح ان کی ابتدا چشم تاریخ سے اوجھل ہے اسی طرح اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ انکی
قوتِ استقامت اور کب تک ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہے، قدیم مصر کے اسرارِ سربستہ، لکسار کے

مخروطی مینار پر تصویر کے رنگ میں دشتِ تاریخ کا سیاح اچھی طرح دیکھ چکا ہے، اسیریا کے پرشکوہ ایوانات
شاہی، ساٹھ میل سے زائد دور والی بابل کی شہر پناہ کا متواتر زمانہ کی ٹھیسیں اٹھاتے اٹھاتے (۸۰)
اسی فٹ کی بلندی پر باقی رہنا، بعل کے فلک بوس ویران سومنات اس کی سقف بلند پر کالدیا کے
اختر شناسوں کی بنائی ہوئی رصدگاہ جہاں پردۂ شب میں چھپ چھپ کر مہوشانِ بامِ اخضر کی ناز افشانیاں
دیکھی جاتی تھیں، سلاطینِ بابل کے قصر رفیع اور بوستان معلق جنکے تناور درخت بادی النظر میں ہوا پر ٹھہرے
ہوئے معلوم ہوتے تھے، ان معلق باغوں میں جو کلیں آب رسانی کا ذریعہ تھیں، ان کے شکستہ نشانات
دریاے فرات کے تحتی حصہ والی وہ سرنگ جس میں بخوف و خطر آیند و روند کی کثرت سے ہر وقت ایک میلہ سا لگا
رہتا تھا اور اوپر بحرِ ذخار کی کوہ فرسا موجیں بلند ہو ہو کر لبِ ساحل سے مجنونوں کی طرح سر ٹکراتی رہتی تھیں،
گذشتہ متمدن عہدوں کے یہ وہ مٹے ہوے نشانات ہیں کہ جنکے آغاز پر لاعلمی کا پردہ پڑا ہوا ہے، اس سے
پیچھے ہٹکر ایک اور دیرینہ قوم کے خلوتکدے پر نظر پڑتی ہے، یہ قوم آج کی نہیں بنی اسرائیل کے پیشتر سے ارضِ شام
کے ساحلی شہروں کے شہر طائر میں فنیقی قوم آباد چلی آتی تھی، مدتوں تک اس قوم کا سومنات مملکتِ اقتدار کی مورتوں
سے آباد رہا، اسی دور میں جہازرانی درجۂ کمال تک پہنچی تاریخ شاہد ہے کہ اس قوم کی قدیم زبان سریانی تھی یہ وہ قوم ہے کہ
جنکی یاد کا نقش اس وقت تک جریدۂ عالم پر ثبت رہیگا جبتک خطۂ یونان کی دانش آفرینیوں کے کارنامے قابلِ احترام و
عظمت باقی رہیں گے کیونکہ ابتداءً یونانیوں نے اس قوم کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، اور انھیں کے فیضِ تعلیم سے
اکتسابِ علم تمدن کی ان میں ایسی استعداد تامہ پیدا ہو گئی کہ جس کے افسانے آج تک بچہ بچہ کی زبان پر
ہیں، ایسی قوم کی خوش نصیبی حقیقۃً قابلِ رشک ہے جس کے سپوت شاگردوں کی عظمتِ پایندہ اپنے مربی
روحانی کا نام لوحِ روزگار سے مٹنے نہ دے،

باقی

کتبخانۂ رامپور

از

مولوی قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڑھی

سنہ ۱۹۰۳ء میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے صدر نے ڈاکٹر راس کی تحریک پر گورنمنٹ آف انڈیا سے یہ درخواست کی کہ فارسی اور عربی مخطوطات کی باقاعدہ تلاش وجستجو کے لیے ایک خاص محکمہ گورنمنٹ کی طرف سے قائم کیا جائے، جس کا مقصد یہ ہو کہ فارسی اور عربی کی قلمی کتابیں خریدی جائیں، ان کی تلاش کیجائے اور انکی فہرست مرتب کیجائے، یہ درخواست منظور ہو گئی، اس کے بعد سنہ ۱۹۱۲ء میں جبکہ ہمارے محترم ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی اس محکمہ کے انچارج افسر تھے، یہ تجویز پیش ہوئی کہ ہندوستان کے کتب خانوں میں جو جو کتابیں اہم اور نادر ہوں اُن سب کی ایک فہرست تیار کیجائے، یہ کام مولوی حافظ نذیر احمد صاحب کے ذمہ سپرد ہوا، چنانچہ انھوں نے ہندوستان کے متعدد کتب خانوں میں قلمی کتابوں کا معائنہ کر کے ان کتب خانوں اور کتابوں کے مختصر حالات مرتب کئے جو ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل جلد ۱۳ سنہ ۱۹۱۷ء و جلد ۱۴ سنہ ۱۹۱۸ء میں شائع ہو چکے ہیں، اس سلسلہ میں مولانائے موصوف نے ریاست رامپور کے سرکاری کتب خانہ کے حالات بھی مفصل تحریر کئے ہیں، چونکہ یہ کتب خانہ قلمی نوادر کے لحاظ سے دنیا کے مشہور کتب خانوں میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اس لیے اردو داں اصحاب کی معلومات کے لیے کتب خانۂ مذکور کے حالات رسالۂ مذکورۂ بالا سے[1] اخذ کر کے درج ذیل کئے جاتے ہیں،

[1] قاضی صاحب نے گو یہ ایک ضروری کام انجام دیا ہے، مگر جو معلومات انھوں نے اس رسالہ سے حاصل کئے ہیں وہ تمام تر کتبخانۂ مذکور کی

جو امید ہے کہ دلچسپی سے پڑھے جائیں گے،

"اختر"

نواب فیض اللہ خاں ریاست رامپور کے پہلے نواب علی محمد خان بہادر (سنہ ۱۱۶۳ھ سنہ ۱۷۴۹ء) کے جانشین نواب فیض اللہ خاں (سنہ ۱۱۸۷ھ سنہ ۱۲۰۸ھ) نے اس کتب خانہ کی داغ بیل ڈالی، وہ علم وفن کے سرپرست اور بڑے علم دوست تھے، ان کے دربار میں متعدد علماء و فضلا رہا کرتے تھے، مثلاً علامہ عبدالعلی بحر العلوم[1] (لکھنؤ) المتوفی سنہ ۱۲۲۵ھ، قدرت اللہ صادق گوپاموی مصنف جام جہاں نما[2] و تکملۃ الشعراء[3]، حکیم بابر مصنف فصول فیض اللہ خانی (در طب) وغیرہ، نواب صاحب کے حکم سے فتاوی فیض اللہ خانی کے نام سے ایک کتاب تین جلدوں میں ان کے درباری علما نے تالیف کی تھی جسکا ایک نسخہ کتب خانۂ مذکور میں موجود ہے، یہ کتاب فتاوی عالمگیری کے طرز پر لکھی گئی ہے، نواب صاحب کو فارسی اور عربی مخطوطات کے جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان کے زمانہ تک اس کتب خانہ میں کتنی کتابیں جمع ہوئی تھیں اور نہ ان کتابوں کی کوئی مرتب شدہ فہرست کا پتہ چلتا ہے،

نواب محمد علی خاں نواب فیض اللہ خاں کے بعد سنہ ۱۲۰۸ھ (سنہ ۱۷۹۴ء) میں والی ریاست ہوئے، یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انھوں نے اس کتب خانہ میں کیا اضافہ کیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) فہرست کی پہلی جلد میں اور اس سے زیادہ اس کی دوسری جلد میں جو اب شائع ہوئی ہے، حرف حرف موجود ہے، وہ نہایت آسانی کے ساتھ اس کی طرف توجہ کر سکتے تھے، کہ حق بحقدار رسد کے اصول کی تعمیل ہو سکتی،

[1] ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو تذکرۂ علمائے ہند ص ۱۲۳، حدائق الحنفیہ ص ۴۶۷، احوال علمائے فرنگی محل ص ۶۲، ابجد العلوم ص ۹۲۷، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ص ۵۸۴، (الندوہ جلد ۲، نمبر ۴) [2] اس کتاب کے مفصل حالات کے لیے دیکھو ایلیٹ کی تاریخ ہند ج ۸ ص ۱۸۱، [3] ایران و ہندوستان کے قدیم و جدید فارسی شعراء کا تذکرہ، محمد شاہ (سنہ ۱۱۳۱ھ سنہ ۱۱۶۱ھ) کے زمانہ تک کے شعراء کے حالات اس میں درج ہیں، اس کا ایک نسخہ اس کتب خانہ میں موجود ہے،

نواب حاجی غلام محمد خاں | سنہ ۱۲۰۹ھ میں مسند نشین ہوئے، اور صرف ۴ ماہ تک حکومت کی، تاریخ میں دو کتابیں، ایک فارسی کتاب مصنفۂ رفعت اور دوسری اردو مصنفۂ منظم عباسی، ان کے نام پر معنون کیگئی ہیں، کہتے ہیں کہ انھوں نے سفر کابل و حجاز کے اثنا میں کئی نادر کتابیں جمع کی تھیں لیکن موجودہ کتب خانہ میں ان کا پتہ نہیں چلتا،

نواب احمد علی خاں بہادر | سنہ ۱۲۰۹ھ سے سنہ ۱۲۵۶ھ تک مسند آرائے ریاست رہے، ان کے زمانہ کی کسی مرتب شدہ فہرست کتب کا پتہ نہیں چلتا، بڑے علم دوست تھے، ان کے دربار میں کئی علماء، اطباء اور شعراء رہا کرتے تھے، مثلاً شاہ رؤف[1]، احمد المتخلص بہ رفعت (المتوفی سنہ ۱۲۵۳ھ) مصنف تفسیر رؤفی، عنبر شاہ خاں (المتوفی سنہ ۱۲۳۶ھ) جو فارسی کے ایک جید شاعر تھے، اور حکیم عطاء اللہ خاں مصنف تذکرہ "خلد بیہتال"

نواب محمد سعید خاں بہادر | سنہ ۱۲۵۶ھ میں تخت نشین ہوئے اور سنہ ۱۲۷۱ھ تک برسر حکومت رہے، معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کتب خانہ کے لیے چند قلمی اور مطبوعہ کتابیں خریدی تھیں، اور ان کی ایک ایک فہرست بھی مرتب کرائی تھی، گو اس وقت وہ نہیں پائی جاتی، انھوں نے کشمیر اور لکھنؤ سے کئی مشہور کاتبوں اور طلاکاروں کو بلا کر معقول تنخواہوں پر اپنے کتب خانہ کی کتابوں کی نقل کرنے پر مامور کیا تھا، کتابوں کی کئی الماریاں ان کے عہد میں تیار ہوئی تھیں، انھی نے کتب خانہ کو توشہ خانہ میں منتقل کرایا تھا،

کتب خانہ کے دفتر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں ۶۱۱۹ روپیہ مطبوعہ اور قلمی کتابوں کے خریدنے میں صرف ہوا تھا، متعدد مصنفین جیسے مولانا فضل حق خیرآبادی[2] (المتوفی سنہ ۱۲۷۸ھ) مصنف ہدیہ سعیدیہ اور سید کفایت علی کافی مصنف ابواب التاریخ وغیرہ، ان کے دربار میں رہا کرتے تھے، انھی نواب صاحب کے زمانہ میں اس کتب خانہ کی عام شہرت ہوئی،

نواب یوسف علی خاں | (سنہ ۱۲۷۱ھ تا سنہ ۱۲۸۱ھ) انھوں نے کتب خانہ کو ترقی دی، اور نایاب قلمی کتابوں کے

[1] شاہ صاحب کے حالات کے لیے دیکھو تذکرہ علمائے ہند ص ۶۷، خزینۃ الاصفیاء ۲ ص ۲۰۳،

[2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۱۶۴، حدائق الحنفیہ ص ۴۸۰،

نقل کرانے کے لیے کاتب مقرر کئے، ان کے عہد میں ۱۲۲۵۸ روپیہ کی مطبوعہ اور قلمی کتابیں خریدی گئیں، مفتی محمد سعد اللہ[1] (المتوفی سنہ ۱۲۹۴ھ) اور دوسرے علماء نے اپنی تصانیف نواب صاحب ممدوح کے نام پر معنون کی ہیں،

نواب کلب علی خاں | سنہ ۱۲۸۱ھ تا سنہ ۱۳۰۲ھ مسند ریاست پر متمکن رہے، علم و فن کے مربی اور صاحب ذوق تھے، انھوں نے کتب خانہ کو بہت وسعت دی، ابتدائے عمر ہی سے ان کو کتابوں کے مطالعہ اور قلمی نوادر جمع کرنے کا شوق تھا، چنانچہ قلمی نسخوں پر ان کی تحریرات اور دستخط سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے، انھوں نے اس کتب خانہ کو توشہ خانہ سے مچھلی بھون کے قریب محل میں منتقل کرادیا، اور رحیم شاہ داروغہ جواہر خانہ کو ناظم مقرر کیا۔ اخیر عمر میں انھوں نے قدیم لال پردہ کے قریب کتب خانہ کے لیے ایک دو منزلہ عمارت تعمیر کرائی، اس پر انھوں نے یہ تاریخی نام کندہ کرادیا تھا،

کتب خانہ علوم دینیہ ۰

۱۳ ۰ ۳

یہ عمارت اس وقت بھی موجود ہے، جس پر یہ نام کندہ ہے، اس نئی عمارت میں کتب خانہ منتقل ہونے ہی والا تھا کہ خود نواب صاحب انتقال کرگئے،

نواب صاحب کو فارسی ادبیات سے بہت اچھا ذوق تھا، جیسا کہ ان کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے، وہ خلفاء اربعین کی تاریخ لکھ رہے تھے، اسی اثنا میں ان کی زندگی ختم ہوگئی، ان کی یہ نامکمل تصنیف اس کتب خانہ میں موجود ہے، ۹۳ کتابیں ان کے نام پر مصنفین نے معنون کی تھیں، ان کے دربار میں کئی علماء و شعراء ملازم تھے، مثلاً مفتی سعد اللہ، مولوی عبد الحق خیرآبادی (خلف الرشید مولوی فضل حق خیرآبادی) ہندوستان کے مشہور اردو کے شاعر نواب مرزا داغ دہلوی وغیرہ، نواب صاحب نے منشی امیر احمد مینائی (مرحوم) کو اس کتب خانہ کی فہرست بترتیب حروف تہجی مرتب کرنے کا کام سپرد کیا تھا، لیکن یہ کام ہونے سے پہلے ہی منشی صاحب

[1] مفتی صاحب کے حالات کے لیے دیکھو تذکرہ علمائے ہند ص ۷۱، حدائق الحنفیہ ص ۴۸۸،

لکھنو چلے گئے،

نواب صاحب نے کئی بیش بہا اور نادر قلمیات اس کتب خانہ میں اضافہ کیں، کتب قلمیہ کے کئی تاجر دور دراز مقامات سے کتابیں لیکر ان کے پاس آیا کرتے تھے، انھوں نے صد پند لقمان کا ایک قلمی نسخہ ایکہزار روپیہ کو خرید لیا تھا، ان کے زمانہ میں ۳۴۰۶۸ روپیے کی مطبوعہ اور قلمی کتابیں خریدی گئیں،

نواب مشتاق علی خاں | (۱۳۰۴ھ تا ۱۳۰۶ھ) ان کے زمانہ حکومت میں جو صرف دو سال تک رہا، کتب خانہ نے بہت کچھ ترقی کی، انھوں نے ۲۳۳ کتابیں اس میں اضافہ کیں جو اپنے ایام ولیعہدی میں انھوں نے خریدی تھیں، اور بخشی عبد الرحیم کو اس کتب خانہ کا ناظم مقرر کیا، علاوہ ازیں کئی کاتب، خوشنویس، طلاکار، جلد ساز، ۲ رجسٹرار وغیرہ مقرر کئے، ان کے زمانہ میں کتابوں کا ایک رجسٹر تیار ہوا اور چھ علما کو اس میں کتابوں کے مفصل حالات درج کرنے پر مامور کیا گیا تھا، ان علما میں سے ایک مولوی محمد طیب عرب رامپوری بھی تھے، جنھوں نے ۱۳۳۵ھ میں وفات پائی، نواب صاحب نے جنرل محمد عظیم الدین خاں کو اس کتب خانہ کا افسر اعلی مقرر کیا تھا، جنرل صاحب علم و فن کے مربی اور قلمی کتابوں کو جمع کرنے کے شوقین تھے، نواب صاحب نے کتب خانہ کے لیے ایک نئی عمارت کی بنیاد بھی ڈالی لیکن تکمیل کو پہنچنے سے پہلے ہی رحلت کر گئے، ان کے زمانہ میں ۵۸۸۰ روپیہ کی کتابیں خرید ہوئیں،

نواب محمد حامد علی خاں بہادر | ۱۳۰۷ھ میں نواب محمد حامد علی خاں بہادر موجودہ والی ریاست رامپور سریر آرائے حکومت ہوئے، آپ کے عہد میں اس کتاب خانہ کی عمارت ۱۳۰۷ھ میں تکمیل کو پہنچی، اس میں تین کمرے ہیں، ایک وسط میں اور ایک ایک کمرہ اردگرد، ان تینوں کمروں کے اطراف میں گیلری بنی ہوئی ہے، کتب خانہ کے کمروں میں منبت کاری کی گئی ہے، ان کمروں میں سے ہر ایک کمرہ میں ۴۳ شیشہ والی الماریاں ہیں، وسط کے کمرہ میں جو الماریاں ہیں ان میں انگریزی، اردو، اور خوشخط لکھی ہوئی کتابیں ہیں، دائیں جانب کے کمرہ میں پشتو، ترکی، اردو، فارسی زبانوں کی مطبوعہ اور قلمی کتابیں ہیں اور بائیں جانب

کے کمرہ میں صرف عربی کی مطبوعہ اور قلمی کتابیں ہیں،

جنرل محمد عظیم الدین خاں کے قتل کے بعد ۱۴ اپریل ۱۸۹۱ء سے یہ کتب خانہ نواب یار جنگ کی نگرانی میں رہا، پھر ۲۹ جون ۱۸۹۱ء کو جب میجر ونسنٹ کونسل کے صدر کی حیثیت سے رامپور آئے تو انھوں نے حمید الظفر خاں کو کونسل کا سکریٹری مقرر کیا، اور کتب خانہ کا چارج بھی انہی کے سپرد کیا، میجر صاحب کی ہدایت کے بموجب حمید الظفر خاں نے ہر زبان کی قلمی اور مطبوعہ کتابوں کو علحدہ کیا، ۳۱ مارچ ۱۸۹۲ء کو میجر صاحب نے کتب خانہ کا افتتاح کیا، کونسل کے زمانہ میں بھی اس کتب خانہ میں قلمی کتابوں کا اضافہ ہوتا رہا،

۱۳۱۴ھ ۔ ۱۸۹۶ء میں جب نواب صاحب موصوف کو زمام اختیارات سپرد ہوئی تو انھوں نے دہلی کے نامور طبیب حکیم اجمل خاں صاحب (مرحوم و مغفور) کو علاوہ فرائض مطب کے کتب خانہ کی نگرانی بھی سپرد فرمائی، حکیم صاحب مرحوم نے مہدی علی خاں ممتاز محافظ کتب خانہ کی مدد سے عربی کی مطبوعہ اور قلمی کتابوں کی ایک فہرست مع مضامین کتب تیار کی، لیکن اس میں بکثرت غلطیاں پائی جاتی ہیں، کتابوں اور مصنفوں کے پورے حالات درج نہیں ہیں تاہم وہ ایک حد تک کارآمد ضرور ہے،

۱۳۱۵ھ میں حکیم صاحب کی جگہ مولوی حافظ احمد علی خاں المتخلص بہ شوق کو سردار ڈیوڑھی کے فرائض کے علاوہ نواب صاحب نے کتب خانہ کی نگرانی کا کام تفویض فرمایا، حافظ صاحب موصوف نہایت قابل، ہوشیار اور محنتی ہیں، چنانچہ مسٹر بیورج نے جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۱ء ص ۷۵ پر آپ کی تعریف کی ہے، حافظ صاحب کی نگرانی میں فارسی کتابوں کی ایک فہرست تیار ہو رہی ہے، ستمبر ۱۹۱۵ء تک اس کتب خانہ میں عربی اور فارسی قلمی کتابوں کی تعداد ۱۸۵۸۷ اور مطبوعہ کتابوں کی تعداد ۱۳۵۰۳ تھی،

حکیم صاحب مرحوم کی مرتبہ فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۱۵ھ ۔ ۱۸۹۱ء میں اس کتب خانہ میں کل مطبوعہ اور قلمی نسخوں کی تعداد بہ تفصیل ذیل گیارہ ہزار تھی:-

(۱) عربی ۵۱۹۴

(۲)	فارسی	۳۳۰۴ ،
(۳)	اردو	۲۳۹۲
(۴)	ترکی	۴۶
(۵)	پشتو	۳۷
(۶)	بھاشا	۱۶
(۷)	سنسکرت	۳
(۸)	ناگری	۷
(۹)	پنجابی	۱
	میزان کل	۱۱۰۰۰

فارسی زبان میں مندرجۂ ذیل علوم وفنون پر ۳۳۰۲ کتابیں اس وقت موجود ہیں:-

(۱)	تفسیر	۲۵	(۷)	فقہ	۲۷
(۲)	تجوید	۲۲	(۸)	اصولِ فقہ	۸
(۳)	استخراج آیات قرآنی	۲۳	(۹)	فرائض	۶
(۴)	لغات القرآن	۴	(۱۰)	عقائد وکلام	۸۳
(۵)	حدیث	۱۰۴	(۱۱)	فلسفہ	۲۲
(۶)	اسماء الرجال، طبقات الصوفیہ، تصوف، تذکرۃ الشعراء	۵۹۴	(۱۲)	منطق	۶
			(۱۳)	اخلاق	۱۴۸
			(۱۴)	تاریخ	۲۷۱
			(۱۵)	جغرافیہ	۱۰

(۱۶)	ادب	۱۶۷	(۳۰)	نجوم	۵۲
(۱۷)	بلاغت	۴۴	(۳۱)	جفر	۲۰
(۱۸)	عروض	۲۹	(۳۲)	رمل	۲۵
(۱۹)	صرف	۳۷	(۳۳)	طلسمات وعملیات	۱۹
(۲۰)	نحو	۱۸	(۳۴)	ادعیہ	۴۷
(۲۱)	املاء	۵	(۳۵)	تعبیرالرویا	۴
(۲۲)	لغت	۱۱۸	(۳۶)	شطرنج وگنجفہ	۴
(۲۳)	قصص وداستان ودواوین	۹۵۵	(۳۷)	موسیقی	۱۳
(۲۴)	طب	۲۴۵	(۳۸)	قیافہ	۱
(۲۵)	تشریح	۳	(۳۹)	طباخی	۸
(۲۶)	کیمیا	۵	(۴۰)	علم الحرب	۶
(۲۷)	بیطرہ	۲۰	(۴۱)	متفرقات	۷۰
(۲۸)	حساب	۲۲	(۴۲)	جرائد ووصلیات	۲۸
(۲۹)	ہیئت	۵۸		میزان کل	۳۳۹۲

غالباً تمام ہندوستان میں اپنی طرز کا یہ واحد کتب خانہ ہے، عربی اور فارسی قلمی کتابیں بڑی حفاظت سے یہاں رکھی گئی ہیں، تمام اسلامی دنیا میں شاید ہی کوئی کتب خانہ ایسا ہوگا جس کا کوئی نہ کوئی قلمی نسخہ یہاں موجود نہ ہو، کئی قدیم نسخے خود مصنفین کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، اور کئی ایسے ہیں جن کی تصحیح اور مقابلہ مشاہیر علماء نے کیا ہے، ۷۴۴-عربی اور ۵۲۳ فارسی نسخے ایسے ہیں جو نہایت خوشخط خود مصنفین اور مشہور خطاطوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، مشہور مصوروں کی تصاویر اس کتب خانہ میں بکثرت موجود ہیں، قدیم ترین اور

نادر قلمی کتابوں میں فارسی اور عربی کی مندرجۂ ذیل کتابیں ہیں جو خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں،

عربی مخطوطات

(۱) النکت والعیون۔ تفسیر القرآن مصنفہ علی بن محمد بن حبیب الماوردی مشہور شافعی فقیہ (المتوفی ۴۵۰ھ) کا ایک قدیم ترین اور واحد نسخہ، مکتوبہ ۵۷۰ھ،

(۲) التیسیر فی التفسیر[1]، مصنفہ ابوالقاسم عبدالکریم ابن ہوازن القشیری فقیہ شافعی (المتوفی ۴۶۵ھ) کا قدیم اور واحد نسخہ بخط جعفر بن عمر الصیرانی الحدادی، مکتوبہ ۶۷۹ھ،

(۳) نہایۃ السئول فی روایۃ الستۃ (اصول)، مصنفہ ابراہیم بن محمد بن خلیل برہان الدین الحلبی معروف بہ سبط ابن العجمی (المتوفی ۸۴۱ھ) کا واحد قلمی نسخہ جو خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے[2]، یہ کتاب فن رجال میں ہے،

(۴) دیوان الحادرۃ۔ بخط یاقوت مستعصمی مشہور خوشنویس (المتوفی ۶۹۸ھ) مکتوبہ ۶۲۹ھ یہ نسخہ ابراہیم عادل شاہ دکھنی کے کتب خانہ کا ہے، چنانچہ اس پر اس کی مہر ثبت ہے،

(۵) الاشباہ والنظائر۔ مصنفہ زین العابدین معروف بہ ابن النجیم (المتوفی ۹۷۰ھ) مصنف کے ہاتھ کا ۹۶۹ھ کا لکھا ہوا نسخہ، یہ کتاب فقہ میں ہے،

(۶) مقامات الحریری:۔ مصنفہ محمد القاسم بن علی بن محمد الحریری، علامہ تفتازانی سعد الدین مسعود بن عمر (المتوفی ۷۹۱ھ) کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ مکتوبہ ۷۴۰ھ،

(۷) کافیۂ رضی:۔ مصنفہ رضی الدین محمد (المتوفی ۶۸۶ھ) سعد اللہ خاں (المتوفی ۱۰۶۶ھ) وزیر

[1] سبکی اس کی نسبت لکھتے ہیں:۔ وھو من اجود التفاسیر واوضحہا، یہ تفسیر ۴۱۰ھ سے پہلے لکھی گئی ہے، (طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۲۴۵-۲۴۶) سبکی نے اس کا نام التفسیر الکبیر لکھا ہے،

[2] اس کتاب کو ۸۲۲ھ میں مصنف نے حلب کے مدرسۃ الفیہ میں لکھنا شروع کیا اور ۸۲۹ھ میں ختم کیا، جیسا کہ کتاب کے آخر میں مصنف نے لکھا ہے

شاہجہاں کے دستخط ہیں، یہ کتاب نحو میں ابن حاجب کی شرح ہے،

(۸) ترکی نسخہ:۔ بابر بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا، جیسا کہ اس پر لکھی ہوئی شاہجہاں کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے،

فارسی مخطوطات

(۹) ترجمۂ تفسیر طبری:۔ فارسی ترجمہ کا ایک قدیم اور قیمتی نسخہ مکتوبہ ۶۰۰ھ[1]،

(۱۰) رسالۂ خواجہ عبداللہ انصاری:۔ مشہور خوشنویس "قبلۃ الکتاب" سلطان علی مشہدی (المتوفی ۹۲۶ھ) کے ہاتھ کا لکھا ہوا، اس نسخہ پر سلاطینِ مغلیہ جہانگیر و شاہجہاں، اور عبدالرحیم خانخاناں کی تحریرات ثبت ہیں، مکتوبہ ۹۲۱ھ۔

(۱۱) فتاوی امینیہ، مصنفہ محمد امین بن عبداللہ مومن آبادی، مصنف کے ہاتھ کا نسخہ مکتوبہ ۱۰۴۸ھ

(۱۲) تاریخ در حالات سفر محمد بادشاہ، (۱۱۶۱ھ - ۱۱۳۱ھ) ۔محمد شاہ کے سفر مکتیسر کے حالات مصنفہ انندرام مخلص (المتوفی ۱۱۶۴ھ) مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نوشتہ ۱۱۵۶ھ،

(۱۳) دیوانِ حافظ:۔ بہترین اور قیمتی نسخہ گل اندام (۹۷۹ھ) کے دیباچہ والا، نہایت خوشخط اور مطلا، یہ نسخہ اکبر بادشاہ کے لیے تیار کیا گیا تھا،

(۱۴) کلیاتِ سعدی، ۹۳۳ھ کا لکھا ہوا نہایت خوشخط قلمی نسخہ جس پر منعم خاں ابن بیرام بیگ (المتوفی ۹۸۳ھ) اور خانخاناں کے ہاتھ کی تحریریں ہیں، مکتوبہ ۹۳۳ھ،

(۱۵) کلیات فقیہ عماد، فقیہ عماد (المتوفی ۷۷۳ھ) کے اشعار کا مکمل مجموعہ نہایت خوشخط اور مطلا، اس کتاب کے نسخے بانکی پور، انڈیا آفس، بوڈلین وغیرہ کتب خانوں میں موجود ہیں،

[1] اس نسخہ پر سنہ کتابت درج نہیں ہے، تاہم بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۶۰۰ھ کا لکھا ہوا ہے، اس کا دوسرا نسخہ عجائب خانہ لندن میں ہے، تفصیل کے لیے دیکھو کشف الظنون ج ۲ ص ۳۴۶، فہرست مخطوطات فارسی عجائب خانہ لندن ص ۳،

(۱۶) **دیوان مخلص**:۔ انند رام مخلص کا دیوان، خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا، ۱۱۵۱ھ۔

(۱۷) **مثنوی جامع الاسرار**:۔ مصنفہ رشید الدین، سنہ تالیف ۸۵۲ھ مکتوبہ ۱۰۶۴ھ (نادر)

(۱۸) مثنوی ذکر العیش، مصنفہ اسی کا واحد نسخہ مصنفہ ۱۰۳۲ھ، اس کتاب میں ایرانی طرز کی ۹ تصاویر ہیں، خوشخط اور مطلا،

(۱۹) سبیع المعانی، یوسف علی بن محمد الحسینی الجرجانی کی سات مثنویاں جو ہفت اورنگ جامی کے تتبع میں لکھی گئی ہیں،

(۱) ذکر العیش (۲) سادہ پرکار (۳) قبلۃ الاخیار (۴) صورت و معنی (۵) مطالب (۶) ظفرنامۂ حیدری (۷) یوسف و زلیخا،

نہایت نایاب اور نادر نسخہ، مصنف شاہ عباس اول (۹۹۶ھ تا ۱۰۳۸ھ) کے زمانہ میں تھا، اور اسی کے نام پر یہ مثنویاں معنون کیگئی ہیں،

(۲۰) مثنوی منطق الریاحین، مصنفہ اسی (؟) سنہ تالیف ۱۰۳۰ھ، نایاب اور قیمتی نسخہ جس میں ۱۱ تصاویر ہیں، خوشخط اور مطلا،

(۲۱) مثنوی ناظر و منظور از اسی، مصنفہ ۱۰۳۴ھ، یہ نسخہ ۰ اخوبصورت تصاویر سے مزین ہے، بہت نایاب نسخہ ہے،

(۲۲) صد پند لقمان مع رسالۂ خواجہ عبد اللہ انصاری، مشہور خوشنویس میر علی (المتوفی ۹۵۷ھ) کے ہاتھ کا لکھا ہوا، اس نسخہ پر جہانگیر، شاہجہاں اور شہزادی جہاں آرا بیگم کی تحریریں ہیں، اسی نسخہ کو نواب کلب علیخان بہادر نے ۱۳۰۱ھ میں بنارس کے کسی شخص سے ایکہزار روپیہ کو خرید اتھا،

(۲۳) ذخیرۂ خوارزم شاہی جلد دوم طب کی مشہور انسائیکلو پیڈیا مصنفہ زین الدین ابو ابراہیم اسمٰعیل بن احمد بن محمد الحسینی الجرجانی (المتوفی ۵۳۵ھ) کا نہایت قدیم اور قیمتی نسخہ مکتوبہ ۵۵۶ھ

(۲۴) گلستان:۔ شاہجہاں نے دربار کے مشہور خوشنویس عبد الرشید دیلمی (۱۰۸۱ھ) کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ مشہور خوشنویس میر عماد (۱۰۲۴ھ) کے قلمی نسخہ کی نقل، جو خود مصنف کے نسخہ سے منقول ہے اور جس کو مصنف نے محرم ۶۶۲ھ میں فتحِ شیراز کے دن لکھا تھا، نہایت قیمتی اور نایاب،

(۲۵) تعبیر الرویا، مصنفہ ابو ریحان اندلوسی (؟) شہنشاہ اکبر نے یہ کتاب بیرم خاں کو ہدیۃً دی تھی،

(۲۶) مثنوی روضۃ الانوار، از خواجوی کرمانی (المتوفی ۷۴۲ھ) مشہور خوشنویس میر علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ۹۷۵ھ، نہایت نادر اور قیمتی نسخہ،

(۲۷) ہفت اورنگ جامی، مع ۹ تصاویر، نادر و نایاب نسخہ، مطلا اور خوشخط مکتوبہ ۱۰۳۹ھ از کاتب جمال الدین شیرازی، نواب کلب علیخان مرحوم نے اس نسخہ کو ۱۲۹۸ھ میں سو روپیہ کو خرید اتھا،

(۲۸) کشف الحقائق، علم نجوم کی مشہور کتاب زیچ ایلخانی مصنفہ نصیر الدین طوسی (المتوفی ۶۷۲ھ) کی مفصل شرح، نہایت قیمتی اور نادرۂ روزگار، مصنفہ حسین بن محمد نیشاپوری القمی مشہور بہ نظام، خود مصنف کے ہاتھ کا نسخہ مکتوبہ ۷۰۹ھ،

ان بیش بہا جواہرات کے علاوہ ذیل کے مشہور مصنفین کی بتعداد ذیل کتابیں اس کتب خانہ میں موجود ہیں،

(۱)	ابن سینا،	ابو علی حسین بن عبد اللہ بن سینا (المتوفی ۴۲۸ھ)	۴۶
(۲)	امام غزالی،	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (المتوفی ۵۰۵ھ)	۲۳
(۳)	الفارابی،	محمد بن محمد بن طرخان ابو نصر الفارابی (المتوفی ۳۳۹ھ)	۲۸
(۴)	طوسی	ابو جعفر نصیر الدین محمد بن محمد الحسن الطوسی الشیعی (المتوفی ۶۷۲ھ)	۳۲
(۵)	عسقلانی[1]	احمد بن علی بن محمد بن حجر شہاب الدین العسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ)	۱۷

[1] ابن حجر کی کتاب فتح الباری فی شرح البخاری کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے، خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے،

(۶) ابن تیمیہ، عبدالسلام بن عبداللہ بن تیمیۃ الحرانی (المتوفی ۶۵۲ھ) ۹

(۷) امام رازی، فخرالدین محمد بن عمر بن حسین بن خطیب الرازی (المتوفی ۶۰۶ھ) ۱۰

(۸) البیرونی، ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (المتوفی ۴۴۰ھ) ۵

(۹) امام سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) ۴۴

(۱۰) ابن عربی، محی الدین محمد بن علی بن محمد العربی (المتوفی ۶۳۸ھ) ۳۵

(۱۱) ابن حزم، علی بن احمد بن حزم اندلسی (المتوفی ۴۵۶ھ) ۳

ابُوحاتم محمد بن حبان البُستی[1]

بست[2] شرقی سیستان کا ایک مشہور مقام تھا، جو دریاے ہلمند کے قریب واقع تھا اور اس کے نواح نہایت گرم ہونے کی وجہ سے "گرمسیر" کہلاتے تھے، قرب و جوار کی زمینیں نہایت سیر حاصل تھیں، جہاں خرما اور انگور پیدا ہوتے تھے، باغات کی نہایت کثرت تھی اور خیال کیا گیا ہے کہ اسی وجہ سے اس کا نام بھی بست (یعنی بوستان) پڑ گیا تھا،

[1] ابوحاتم البستی کے حالات تمام تر یاقوت رومی (متوفی ۶۲۶ھ) کی کتاب معجم البلدان مضمون "بُست" (ج ۲ ص ۱۷۰-۱۸۰ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۴ھ) سے حاصل کیے گئے ہیں، السمعانی (متوفی بعد ۵۵۵ھ) کا مضمون "البستی" مندرجہ کتاب الانساب (ص ۷۵ مطبوعہ لائیڈن ۱۹۱۲ء) یاقوت کے مضمون کے مقابلے میں بہت مختصر ہے، اور اس سے کوئی نئی بات دستیاب نہیں ہوتی،

یاقوت نے حسب معمول اپنے تمام ماخذ تفصیل بیان کئے اور ہر بیان کے لیے راویوں کے مکمل اسناد پیش کئے ہیں، ہم نے بخوف طوالت ہر جگہ سلسلۂ اسناد کو نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا،

قدیم مسلمان مورخ واقعات کے بیان کرنے میں بڑی احتیاطیں کرتے تھے، اور علم حدیث کے بیشمار علمی فیوض و برکات میں سے یہ بھی شمار کئے جانے کے قابل ہے، کہ قدیم مورخانِ اسلام نے واقعات کے تفحص و نقل کے لیے صداقت کا نہایت بلند اور سخت معیار قائم کر لیا تھا جس کی بدولت ان کی تصنیفات نہایت اعتماد و وقعت کی مستحق ہیں، افسوس ہے کہ یہ معیار علمی انحطاط کیساتھ بعد کے مورخوں بالخصوص فارسی تاریخ نویسوں میں قائم نہیں رہا جس کی وجہ سے قدیم مورخوں کے مقابلے میں متاخرین کی تاریخی تصانیف بہت پست درجہ کی ہیں۔ البستی کے تذکرہ میں جو قدیم مورخوں کے بیانات پر مبنی ہے کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس کے متعلق سخت سے سخت درایت کا پیرو بھی اعتراض کر سکے، دور آخر کے کسی فارسی تذکرہ نویس نے حالات لکھے ہوتے تو نہ معلوم کیسی کیسی باتیں ایسی نظر پڑتیں جن پر عقل سلیم حیران و سرگرداں ہو کر رہ جاتی،

[2] بست کے حالات کے لیے دیکھو مضمون "بست" مندرجہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (ص ۸۰۵ جزو نمبر ۱۳ سنہ ۱۹۱۲ء) اور لی اسٹرینج کی کتاب

بست فتوحاتِ اسلامی سے قبل سے آباد تھا، اور اسلامی عہد میں کئی صدی تک نہایت آباد رہا، لیکن یاقوت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی کے آخر اور ساتویں صدی ہجری کے شروع میں وہ خراب و برباد ہو چکا تھا، سب سے پہلے علاء الدین جہانسوز کے ہاتھوں یہ شہر تباہ ہوا، اور رہا سہا عہد مابعد میں تیمور اور نادر کے ہاتھوں برباد ہو گیا، قلعہ بست کی ٹوٹی پھوٹی دیواریں دریائے ہلمند کے کنارے اب بھی کھڑی ہوئی ہیں اور چاروں طرف دور تک منہدمہ عمارات کے آثار پھیلے ہوئے ہیں اور عہد ماضیہ کی خوشحالی پر ماتم کر رہے ہیں،

چوتھی صدی ہجری میں جب المقدسی نے اسے دیکھا، یہ شہر نہایت آباد و بارونق تھا، لوگ فارغ البال و خوشحال تھے، عراقیوں کا لباس پہنتے اور اکثر ہندوستان سے تجارت کرتے تھے، بازار بھرے ہوئے تھے، شہر میں ایک نہایت خوبصورت مسجد تھی، قرب میں ایک قلعہ اور دریائے ہلمند کو عبور کرنے کے لیے کشتیوں کا پل تھا، آدھے فرسخ کے فاصلے پر جانب مشرق "العسکر" واقع تھا جس کے آثار منہدمہ اب بھی "لشکری بازار" کہلاتے ہیں،

بست نے بہت سے نامور فضلا پیدا کیے، جنھیں سے عربی کا مشہور ادیب و شاعر ابو الفتح البستی (متوفی سنہ ۴۰۱ھ) عام طور پر معروف ہے، لیکن غالباً بست نے میدانِ علم میں جو سب سے بڑی شخصیت پیدا کی وہ ابو حاتم محمد بن حبان بن معاذ بن محمد بن سعید بن شہید التمیمی ہیں جو متعدد علوم میں تبحر رکھتے تھے، لیکن علوم حدیث و تاریخ میں خاص طور پر ممتاز تھے، انساس (ترکستان شرقی) سے لیکر اسکندریہ (مصر) تک انھوں نے طلبِ علم کے لیے سفر کیے اور بیشمار اساتذہ سے استفادہ کیا اور خود ان سے بہت سے نامور تلامذہ مستفید ہوئے،

ان کے متعلق یاقوت لکھتا ہے:۔

"العلامۃ الفاضل المتقن، کان مکثراً من الحدیث والرحلۃ والشیوخ، عالماً بالمتون والاسانید، اخرج من علوم الحدیث ما عجز عنہ غیرہ، ومن تامل تصانیفہ

بقیہ حاشیہ صفحہ (قبل) اراضی خلافت مشرقی (ص ۳۴۴-۳۴۵) (Le Strange: Lands of the Eastern Caliphate)

یہ حالات بست کے حالات اصطخری (ص ۲۴۴ و ۲۴۴ و ما بعد مطبوعہ لائیڈن) و مقدسی (ص ۳۰۴ مطبوعہ لائیڈن) سے ماخوذ ہیں، جنھوں نے وسط چہارم صدی ہجری میں لکھے ہیں،

منصفٍ علم ان الرجل کان بحراً فی العلوم، سافر ما بین الشاش والاسکندریۃ وادرک الائمۃ والعلماء والاسانید العالیۃ"

یعنی ابو حاتم علامہ فاضل و محتاط اور حدیث و رحلت و شیوخ کے ماہر خاص اور متون و اسانید سے پورے طور پر واقف تھے، انھوں نے علومِ حدیث کی وہ وہ خدمتیں کیں جو دوسرے کے لیے نہایت دشوار ہیں، جو شخص ان کی تصانیف کو بنظرِ انصاف دیکھیگا اسے معلوم ہو جائیگا کہ وہ علوم میں ایک سمندر تھے، انھوں نے شاش اور اسکندریہ کے درمیان کے تمام مشہور مقامات میں سفر کیا، اور ائمۂ عظام و علمائے کرام سے سندِ علوم حاصل کی،

حافظ ابو عبد اللہ الحاکم کا قول ہے کہ:۔

"ابو حاتم البستی لغت، فقہ، حدیث اور وعظ میں فضلائے دہر اور عقلائے زمانہ سے تھے، انھوں نے فنِ حدیث میں ایسی ایسی کتابیں لکھی ہیں، جو ان سے پہلے کسی نے نہیں لکھیں"،

ایک اور بزرگ عبد اللہ بن محمد الاستر آبادی کا بیان ہے کہ:۔

"ابو حاتم بن حبان البستی . . . . فقہائے دین، حفاظِ حدیث و مشہورین امصار و دیار سے تھے، اور طب و نجوم و دیگر علوم و فنون میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے . . . . "

طلبِ علم کے لیے علمائے متقدمین بالخصوص علمائے حدیث نے جو جانفشانیاں کیں، ان کی مثال سے دنیا کی تاریخ خالی ہے، ابو حاتم کے اساتذہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبِ علم کے لیے اس نے اپنے عہد کے قریب و بعید ممالک کے بہت سے علمار سے استفادہ کیا تھا، ہم ان اساتذہ کی فہرست ذیل میں نقل کرتے ہیں، جن کے دیکھنے سے اس عہد کے بعض مشاہیر محدثین کے اسمائے گرامی معلوم ہو جائینگے،

فقہ و حدیث و فروض کو امام الائمہ ابو بکر بن خزیمہ سے حاصل کیا،

دیگر اساتذہ:۔

بست میں قاضی ابو احمد اسحاق بن ابراہیم و ابو الحسن محمد بن عبد اللہ بن الجنید البستی،

ہرات میں ابوبکر محمد بن عثمان بن سعد الدارمی،

مرو میں ابوعبداللہ و ابوعبدالرحمن عبداللہ بن محمود بن سلیمان السعدی و ابویحیی محمد بن یحیی بن خالد المدینی

قریہ نخ میں ابوعلی حسین بن محمد بن مصعب الصنجی و ابوعبداللہ محمد بن نصر بن ترکل الہورقانی،

صغد ماوراء النہر میں ابوحفص عمر بن محمد بن یحیی الہمدانی،

نیشاپور میں ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم السراج الثقفی و ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمن بن شیرویہ الازدی،

ارغیان میں ابوعبداللہ محمد بن المسیب بن اسحاق الارغیانی،

جرجان میں عمران بن موسی بن مجاشع و احمد بن محمد بن عبدالکریم ابوتران الجرجانیین،

رے میں ابوالقاسم العباس بن الفضل بن عاذان المقری و علی بن الحسن بن مسلم الرازی،

کرخ میں حافظ ابوعمارہ احمد بن عمارہ بن الحجاج اور حسین بن اسحاق الاصفہانی،

عسکر میں مکرم ابومحمد عبداللہ بن محمد بن موسی الجوالیقی المعروف بعبدان الاہوازی،

تستر میں حافظ ابوجعفر محمد بن محمد بن یحیی بن زہیر،

اہواز میں ابوالعباس محمد یعقوب الخطیب،

اُبُلّہ میں ابویعلی محمد بن زہیر و حسین بن محمد بن بسطام الابلیین،

بصرہ میں ابوخلیفہ الفضل بن الحباب الجمحی و ابویعلی زکریا بن یحیی الساجی و ابوسعید عبدالکریم بن عمر الخطابی،

واسط میں ابومحمد جعفر بن احمد بن سنان القطان و جلیل بن محمد الواسطی بن بنت تمیم بن المنتصر

قم میں الضلیع عبداللہ بن قطبہ بن مرزوق الصلعی،

نہر سابس میں (جو کہ واسط کا ایک قریہ ہے) خلاد بن محمد بن خالد الواسطی،

بغداد میں ابوالعباس حامد بن محمد بن شعیب البلخی و ابواحمد الہیثم بن خلف الدوری و ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی،

کوفہ میں ابومحمد عبداللہ بن زیدان البجلی،

مکہ میں ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الفقیہ صاحب کتاب الاشراف فی اختلاف الفقہاء و ابوسعید المفضل بن محمد بن ابراہیم الجندی،

سامرا میں علی بن سعید العسکری عسکر سامرا

موصل میں ابویعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی و ہارون بن المسکین البلدی و ابوجابر زید بن علی بن عبدالعزیز بن حیان الموصلی در وح بن عبدالمجید الموصلی،

بلد سنجار میں علی بن ابراہیم بن الہیثم الموصلی،

نصیبین میں ابوالسری ہاشم بن یحیی النصیبینی و مسعود بن یعقوب بن اسحاق الفلوسی،

کفرطوثا (دیارِ ربیعہ) میں محمد بن الحسین بن ابی معشر السلمی،

سرغامرطا، (دیارِ مضر) میں ابوبدر احمد بن خالد بن عبدالملک بن عبداللہ بن مسرح الحرانی،

رافقہ میں محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن فروخ البغدادی،

رقہ میں حسین بن عبداللہ بن یزید القطان،

منبج میں عمر بن سعید بن سنان الحافظ و صالح بن الاصبغ بن عامر التنوخی،

حلب میں حافظ علی بن احمد بن عمران الجرجانی،

مصیصہ میں ابوطالب احمد بن داؤد بن محمد بن ہلال المصیصی،

انطاکیہ میں حافظ ابوعلی وصیف بن عبداللہ،

طرسوس میں محمد بن یزید الدرقی و ابراہیم بن ابی میۃ الطرسوسی،

اذنہ میں محمد بن علان الاذنی،

صیدا میں محمد بن ابو المعانی بن سلیمان الصیداوی،

بیروت میں محمد بن عبد اللہ بن عبد السلام البیروتی المعروف بمکحول،

حمص میں محمد بن عبد اللہ بن الفضل الکلاعی الراہب،

دمشق میں حافظ ابو الحسن احمد بن عمیر بن جوصا و جعفر بن احمد بن عاصم الانصاری و حافظ ابو العباس حاجب بن ارکین الفرغانی،

بیت المقدس میں عبد اللہ بن محمد بن سلم المقدسی الخطیب،

رملہ میں ابو بکر محمد بن الحسن بن قتیبۃ العسقلانی،

مصر میں ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی النسائی و سعید بن داؤد بن وردان المصری و علی بن الحسین بن سلیمان المعدل،

ان کے علاوہ ایک اور جماعت کثیر سے ابو حاتم نے استفادہ کیا تھا جن کے نام ہم تک نہیں پہنچے، ابو حاتم کے تلامذہ میں حسب ذیل اصحاب کے نام معلوم ہو سکے :-

حافظ ابو عبد اللہ الحاکم، و ابو عبد اللہ بن مندۃ الاصبہانی، و ابو عبد اللہ محمد بن احمد الغنجار الحافظ البخاری، و ابو علی منصور بن عبد اللہ بن خالد الذہلی الہروی، و ابو مسلمہ محمد بن محمد بن داؤد الشافعی و جعفر بن شعیب بن محمد السمرقندی، و حسن بن منصور الامیجابی و حسن بن محمد بن سہل الفارسی، و ابو الحسن محمد بن احمد بن محمد بن ہارون الزوزنی، و ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عبد اللہ بن خشام الشروطی،

یاقوت لکھتا ہے کہ ان کے علاوہ بے شمار اشخاص نے استفادہ کیا جنکا اندازہ مشکل ہے، (وجماعۃ کثیرۃ لا تحصیٰ)

ابو حاتم کی طالب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو حاتم نہایت متجسس طبیعت کے طالب علم تھے، ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ہم ابو بکر بن اسحاق بن خزیمہ کے ساتھ نیشاپور کے راستہ میں چلے جا رہے تھے

ابو حاتم بستی بھی ہمراہ تھے، وہ محمد بن اسحاق سے بار بار دریافت کرتے جاتے تھے، محمد بن اسحاق نے تنگ آکر کہا کہ اے بارد میرا پیچھا چھوڑ اور پریشان نہ کر، یہ یا اسی قسم کے الفاظ تھے، ابو حاتم نے ان الفاظ کو بھی لکھ لیا کسی نے پوچھا کہ کیا تم نے یہ بھی نوٹ کر لیا تو جواب دیا کہ ہاں میں نے ہر بات جو استاد نے بیان فرمائی لکھ لی ہے،

ابو حاتم وقتاً فوقتاً سمرقند اور نیشاپور کے قاضی رہے، ان کے شاگرد حافظ ابو عبد اللہ الحاکم کہتے ہیں کہ ابو حاتم ۳۳۴ھ میں سمرقند سے آکر نیشاپور میں وارد ہوئے، لوگ جوق جوق نماز جمعہ کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کی، اس وقت حافظ ابو عبد اللہ بہت کم عمر تھے، لیکن ابو حاتم نے لوگوں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ابو عبد اللہ سے پوچھا کہ تمھیں لکھنا آتا ہے؟ ابو عبد اللہ نے کہا جی ہاں، ابو حاتم نے فرمایا کہ اچھا لکھو اور حدیث لکھا دی، اس کے بعد وہ نیشاپور میں رہنے لگے، اور وہاں کے قاضی مقرر ہو گئے اور وہاں سے اپنے وطن کو واپس چلے گئے،

اخیر زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ سیستان کے عامل مقرر ہوئے تھے،

جمعہ کی رات کو بتاریخ ۲۲ر شوال ۳۵۴ھ ابو حاتم نے وفات پائی اور اس صفہ میں جو انھوں نے اپنے لیے شہر بست میں اپنے مکان کے قریب بنایا تھا دفن ہوئے، رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ،

اپنی زندگی ہی میں اپنا مکان مدرسہ اور کتب خانہ کے لیے وقف کر دیا تھا، وفات کے بعد بھی وہاں درس جاری رہا، حدیث و فقہ کے طالب علم دور دور سے آتے تھے، وہیں ان کے قیام و طعام کا انتظام تھا اور وظائف ملتے تھے، کتب خانہ میں اپنی تمام کتابیں جمع کر دی تھیں، وصیت نامہ کے رو سے ایک وصی مقرر کر دیا تھا جسے ہدایت تھی کہ اس کتب خانہ سے جو شخص چاہے کتابوں کی نقلیں لے سکتا ہے لیکن کتب خانہ سے باہر کوئی کتاب نہیں دیجا سکتی،

ابو حاتم کثیر التصانیف مصنف تھے، ان کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں :-

۱- کتاب الصحابہ ۵ جزو

۲- کتاب التابعین ۱۲ جزو

۳- کتاب اتباع التابعین ۱۵ جزو

۴- تبع الاتباع ۱۷ جزو

۵- تبع التبع ۲۰ جزو

۶- کتاب الفصل بین النقلہ ۱۰ جزو

۷- کتاب علل اوہام اصحاب التواریخ ۱۰ جزو

۸- کتاب علل حدیث الزہری ۲۰ جزو

۹- کتاب علل حدیث مالک ۱۰ جزو

۱۰- کتاب علل مناقب ابوحنیفہ ومثالبہ ۱۰ جزو

۱۱- کتاب ما خالف الثوری شعبہ ۳ جزو

۱۲- کتاب ما انفرد فیہ اہل المدینہ من السنن ۱۰ جزو

۱۳- کتاب ما عند شعبہ عن قتادہ ولیس عند سعید عن قتادہ ۲ جزو

۱۴- کتاب غرائب الاخبار ۲۰ جزو

۱۵- کتاب ما اغرب الکوفیون عن البصریین ۱۰ جزو

۱۶- کتاب اسامی من یعرف بالکنی ۳ جزو

۱۷- کتاب الفصل والوصل ۱۰ جزو

۱۸- کتاب التمییز بین حدیث النضر الحدانی والنضر الخزاز ۲ جزو

۱۹- کتاب الفصل بین حدیث اشعث بن مالک واشعث بن سوار ۲ جزو

۲۰- کتاب الفصل بین حدیث منصور بن المعتمر ومنصور بن زاذان ۳ جزو

۲۱- کتاب الفصل بین مکحول الشامی ومکحول الازدی ۱ جزو

۲۲- کتاب موقوف ما رفع ۱۰ جزو

۲۳- کتاب آداب الرجالہ ۲ جزو

۲۴- کتاب ما اسند جنادہ عن عبادہ ۱ جزو

۲۵- کتاب الفصل بین حدیث ثور بن یزید وثور بن زید ۱ جزو

۲۶- کتاب ما جعل عبداللہ بن عمر عبیداللہ بن عمر ۲ جزو

۲۷- کتاب ما جعل شیبان سفیان او سفیان شیبان ۳ جزو

۲۸- کتاب مناقب مالک بن انس ۱۰ جزو

۲۹- کتاب المعجم علی المدن ۱۰ جزو

۳۰- کتاب المقلین من الحجازیین ۱۰ جزو

۳۱- کتاب المقلین من العراقیین ۲۰ جزو

۳۲- کتاب الابواب المتفرقہ ۳۰ جزو

۳۳- کتاب الجمع بین الاخبار المتضادہ ۲ جزو

۳۴- کتاب وصف المعدل والمعدل ۲ جزو

۳۵- کتاب الفصل بین حدثنا واخبرنا ۱ جزو

۳۶- کتاب وصف العلوم وانواعہا ۳۰ جزو

۳۷- کتاب الہدایہ الی علم السنن، یہ کتاب ابوحاتم کی بہترین کتابوں میں سے تھی، اس میں مصنف نے حدیث و فقہ کو یکجا کیا تھا، ترتیب اس طرح پر رکھی تھی کہ پہلے حدیث، اس کے بعد اس کی شرح پھر اس حدیث کے راوی خاص اور اس کے وطن کا ذکر، بعد ازاں اس حدیث کے اسناد کے تمام اسمائے متعلق صحابہ سے لیکر اپنے شیخ (یعنی استاد) تک تاریخی حالات جن میں ان کی نسبتوں، مولدوں، تاریخہائے وفات، کنیتوں اور قبائل کا ذکر اور ان کے فضل ولیاقت کی کیفیت درج ہوتی تھی، بعد ازاں اس حدیث کے فقہی و حکمی فوائد، اگر کسی حدیث سے بظاہر کوئی دوسری مختلف حدیث ہو تو ان کی تطبیق اور اگر کسی دوسری روایت میں اس حدیث کے متعلق کوئی لفظی اختلافات ہوں تو ان کا بیان، غرض یہ کہ ہر حدیث کے متعلق فقہ اور حدیث کے تمام معلومات یکجا کر دیے تھے،

۳۸- کتاب التقاسیم[1] والانواع ۵ مجلدات،

۳۹- کتاب روضۃ العقلا (۱۳۲۸ھ میں مصر میں چھپ گئی)،

۴۰- کتاب الثقات،

۴۱- کتاب الجرح والتعدیل،

۴۲- کتاب شعب الایمان،

۴۳- کتاب صفۃ الصلوٰۃ

۴۴- کتاب المسند الصحیح،

۴۵- کتاب التاریخ،

۴۶- کتاب الضعفاء،

۴۷- کتاب المجروحین،

۴۸- کتاب القرامطہ

(۴۹) کتاب شیوخ البستی،

[1] معارف:- شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان میں لکھا ہے کہ صحیح ابن حبان کا نام التقاسیم والانواع ہے، کیونکہ اس میں مسند یا ابواب فقہی کے بجائے تقسیم اور نوع پر کتاب کے حصے کئے ہیں، اس کا مشہور نام صحیح ابن حبان ہے،

افسوس ہے کہ یہ بیش بہا کتابیں جنمیں سے متعدد حدیث کے علاوہ اسلامی تاریخ کے لیے خاص اہمیت رکھتی تھیں دستبرد زمانہ اور فتنہ و فسادات ملکی و انقلابات سیاسی کے باعث تلف ہو کر رہ گئیں آج ان کتابوں کے نام اور بعض حالات پڑھکر جو صدمہ ہوتا ہے، ناقابل بیان ہے، متقدمین کی تصانیف کے یہ نفیس اور بے مثل ذخائر ہمارے قدیم سیاسی نظام حکومت کے نقائص کی بدولت ہمیشہ کے لیے برباد ہو گئے[۱]،

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ یہ جلیل القدر کتابیں اس قابل تھیں کہ ان کی کثرت سے نقلیں لیجاتیں اور اہل علم ہاتھوں ہاتھ انھیں حاصل کرتے، لکھتے اور جلدوں میں باندھکر رکھتے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو حاتم کے اہل ملک اس کے محل علم و رتبۂ فضل کا صحیح اندازہ نہ کر سکے اور اپنی عدم بصیرت کی وجہ سے اس کی کتابوں کی اشاعت سے غافل رہے،

امام تاج الاسلام کہتے ہیں کہ میں نے ابو حاتم کی کتابوں میں سے کتاب التقاسیم والانواع، پانچ جلد کو اسناد متصلہ کے ساتھ سماعًا حاصل کیا تھا، امام مذکور نے اس کتاب کو ابو القاسم الشحامی سے اور انھوں نے ابو الحسن البحانی سے اور انھوں نے ابو ہارون الزوزنی سے اور انھوں نے خود مصنف سے پڑھا تھا، کتاب روضۃ العقلاء کو امام موصوف نے حنبل السجزی سے اور انھوں نے ابو محمد التوفی سے اور انھوں نے ابو عبد اللہ الشروطی سے اور انھوں نے خود مصنف سے پڑھا تھا، علاوہ ازیں بغیر سند کے کتاب الھدایہ کی دو جلدیں اور بعض دیگر کتابیں بھی نظر سے گذری تھیں،

ابو بکر احمد بن علی بن ثابت (المعروف بہ خطیب بغدادیؒ) نے لکھا ہے کہ ابو حاتم کے ایک ہموطن

---

[۱] معارف:- ابن حبان کی تصانیف میں سے صحیح ابن حبان (التقاسیم والانواع) ثقات ابن حبان اور تاریخ ابن حبان کے مختلف نسخے موجود ہیں[؟]، لکھنؤ میں شیخ محمد خلیل عرب ندوی (استاد لکھنؤ یونیورسٹی) کے پاس بھی، ان میں بعض اجزا ہیں، شاہ صاحب بستان میں لکھتے ہیں،- "از انجملہ کتاب تاریخ الثقات کہ متداول است و از دے نقل می آرند و کتاب الضعفاء نیز متداول است"، ان کے حالات کے لیے دیکھو تذکرہ احمد بن علی بن ثابت بن مہدی الخطیب البغدادی مندرجہ کتاب ارشاد الاریب (معجم الادبا) مصنفہ یاقوت جلد اول صفحات ۲۴۶ - ۲۴۰،

مسعود بن ناصر السجزی نے ابو حاتم کی کتابوں کے نام انھیں نوٹ کرائے تھے، ابو بکر مذکور نے ان میں سے کوئی کتاب اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی اور ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتابیں بغداد جیسے علمی مرکز میں بھی متداول یا معروف نہیں تھیں،

دنیا میں ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی یا بڑا مصنف لوگوں کے حسد اور نکتہ چینی سے محفوظ رہ سکے ابو حاتم کو بھی جسے علاوہ علمی فضائل و تقدم کے دنیاوی اعزاز و وجاہت بھی حاصل ہوئی، بعض معاندین نے مطعون کرنے کی کوشش کی ہے[۱]،

ایک بزرگ حافظ ابو حاتم سہل بن السری تھے، جو ابو حاتم کو کذاب کہتے تھے، ان کا بیان ہے کہ ابو حاتم نے ابو طیب المصعبی کے لیے قرامطہ کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی جس کے صلہ میں انھیں سمرقند کا قاضی بنا دیا گیا، ان کے بیان سے ترشح ہوتا ہے کہ اس کتاب میں کچھ قرامطہ کی جانبداری کیگئی تھی، جب اہل سمرقند کو اطلاع ملی تو انھوں نے ابو حاتم کو مار ڈالنا چاہا، لیکن وہ وہاں سے بھاگ کر بخارا آگئے اور وہاں بزازوں میں بطور دلال کے کام کرنے لگے، دو ماہ رہکر اور پانچ ہزار کا مال لیکر فرار ہوگئے، بعد ازاں اسی کتاب کو لیے ہوئے سیستان پہنچے، وہاں کا عامل ابن بابویہ تھا، جو قرامطہ کی طرف رجحان رکھتا تھا، اور اس نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور ابو حاتم کو سیستان کا عامل مقرر کر دیا،

ایک اور بزرگ حافظ ابو علی الحسین بن علی تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ابو حاتم البستی کی کتاب المجروحین عمر بن سستان المنبجی کے ایک لڑکے کی جس نے طلب حدیث میں سفر کیا، اور بہت سے شیوخ سے ملا تھا تصنیف ہے

---

[۱] معارف:- اصل یہ ہے کہ ابن حبان جیسا کہ حافظ ذہبی نے تذکرہ میں لکھا ہے فلسفیانہ اور متکلمانہ مذاق رکھتے تھے انھوں نے خدا کے متعلق یہ کہا کہ وہ حدود سے پاک ہے، اور نبوت کے متعلق انکا قول ہے کہ وہ علم اور عمل کا نام ہے، ان اقوال کے سبب سے جنکا صحیح محمل بھی ہے، بعض ظاہر پرست محدثین ان کے خلاف ہو گئے، یہانتک کہ خلیفۂ بغداد سے ان کے قتل کرانے کی بھی سازش کیگئی، مگر خدا نے ان کو بچا لیا، دیکھو تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۱۳۵، و بستان المحدثین شاہ عبد العزیز صاحب صفحہ ۴۰

جسے ابو حاتم نے اپنے نام سے مشہور کر دیا ہے،

جب اس قسم کی برائی کرتے ہوئے الحاکم نے سنا تو کہا کہ ابو حاتم علوم میں بڑا درجہ رکھتے تھے، اور ان کے فضل و تقدم کی وجہ سے لوگ ان سے حسد کرتے تھے۔

خدا حقیقت سے بہتر واقف ہے، لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ الحاکم کا بیان صحیح ہے،

تعریف اور برائی کرنے والے سب نقاب خاک کے اندر روپوش ہو چکے ہیں اور ابو حاتم بھی، ابو حاتم کی تمام عمر کی محنت کا ثمرہ بھی خاک میں مل چکا ہے اور ان کی علمی یادگاروں میں سے کوئی چیز ہمارے ہاتھ میں باقی نہیں ہے بست کے کھنڈر اپنے گذشتہ جاہ و جلال پر ماتم کر رہے ہیں، اور اس سے منسوب ہونے والی ہستی ابو حاتم البستی کا بھی صرف نام ہی نام رہ گیا ہے، اللہ رے انقلاب، کہاں ہے وہ رات دن علم میں مٹ کر رہ جانیوالا بزرگ؛ کہاں ہے اس کا وقف کیا ہوا مدرسہ اور کتب خانہ، کہاں ہیں حدیث کے اساتذہ اور تلامذہ جو اس مدرسہ اور کتبخانہ میں اپنی زندگیاں گذارتے تھے، کہاں ہے اس بزرگ کا مرقد جس نے اپنی زندگی علم اور نیکی کے لیے وقف کر دی تھی سچ ہے بقاے دوام صرف اُس واحد ذوالجلال کے لیے ہے انسان اور اس کی چیزیں نقش بر آب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں، خدا ابو حاتم پر اپنی وسیع رحمتیں نازل فرمائے، کہ اس نے اپنی زندگی علم و دین کی خدمت کے لیے وقف کر کے اسلامی دنیا پر بڑا احسان کیا اور ہم پر نیکی سے یاد کئے جانیکا عظیم حق چھوڑا ہے،

سیر الصحابیات رضہ

ازواج مطہرات بنات طاہرات اور عام صحابیات کی سوانح عمریاں اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے، ضخامت ۱۸۹ صفحے۔

قیمت عہ

منیجر

تلخیص و تبصرہ

امریکہ و یورپ کی تمدنی جنگ

اگرچہ بظاہر یورپ اور امریکہ کا تمدن ایک ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقتہً دونوں میں بنیادی اختلاف موجود ہے، اور امریکہ نہ صرف اپنے جدید تمدن کی تعمیر میں مصروف ہے، بلکہ اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ اپنے تمدن کو تمام دنیا میں رائج کر دے، اس حیثیت سے اس کا پہلا حریف یورپین تمدن ہے اور جس قوم سے اس کا پہلا تصادم ہونے والا ہے وہ انگریز ہے، کیونکہ عام انگریزوں کا خیال ہے کہ امریکن قوم انھی کی برادری اور انھی کے اجداد و اسلاف کی نسل سے ہے، لیکن یہ خیال کس قدر غلط ہے اس کا اندازہ انگلستان کے مشاہیر کے خیالات سے ہو سکتا ہے، چنانچہ وہاں کے مشہور رسالہ ریویو آف ریویو کے فاضل اڈیٹر مسٹر ڈبلیو، سٹیڈ نے حال ہی میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ انگریزوں کو اب یہ مان لینا چاہئے کہ جو بھی ہو امریکن ایک بیرونی قوم ہے، اگر وہ ایسا نہ کریں تو ایک سخت غلطی کے مرتکب ہوں گے، لیکن یورپ اور امریکہ کا اختلاف تو اس سے بھی بڑھا ہوا اور اصولی ہے، گذشتہ پچاس سال سے امریکہ خود اپنے ایک جدید تمدن کی تعمیر میں مصروف ہے اور اس کے متعلق ہم زیادہ از زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ یورپ کے اس تاریخی تمدن کا جسے انگلستان، فرانس، جرمنی اور اطالیہ نے بنایا ہے، ایک مستقل ضمیمہ ہے، یورپ کے متعدد فضلا اس مسئلہ پر غور کر رہے ہیں، چنانچہ زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ فرانس کے ماہر اقتصادیات ایم اندرے سگفرید نے "امریکہ کا سن شعور" (America comes of age) لکھ کر وہاں ایک عام ہیجان پیدا کر دیا تھا، دوسرے تین فرانسیسی مصنفین

نے اس موضوع پر اپنی کتابیں شائع کی ہیں، ان میں ایم لوشن رومیر کی کتاب "کون مالک ہوگا یورپ یا امریکہ" سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، چنانچہ رسالہ لیونگ ایج میں ایک مضمون اس کتاب کے متعلق شائع ہوا ہے، مضمون نگار لکھتا ہے:-

"ایم رومیر کا بیان ہے کہ بحر اطلانٹک کے اُس پار انسانی تمدن کی جدید تخلیق و تکمیل کے متعلق جو مسلسل کوشش جاری ہے، اسے یورپین اصحاب مشکل سے سمجھ سکینگے، امریکہ ہم کو ایک اہم سبق سکھا رہا ہے، اور جب اس کا یہ تمدن مقبول ہو جائیگا تو تمام دنیا میں ایک نئی جوانی اور زندگی پیدا ہو جائے گی، اس سے ہم بنی نوع انسان کی فلاح و بہبودی کی نئی امید قائم کر سکتے ہیں، امریکہ کا بنیادی اصول زرگری ہے، لیکن اس اصول نے وہاں عجیب انقلاب پیدا کر دیا ہے، تاریخی حیثیت سے یہ رواداری کا بہترین ثبوت ہے، اور اس نے پہلی مرتبہ ایک مسرت بخش عام تمدن کی بنیاد رکھدی ہے،

ایم رومیر کی تمامتر دلچسپی اسی عام تمدن سے متعلق ہے، وہ سب سے زیادہ وہاں کی حیرت انگیز دولت پر بحث کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ چیز نہ صرف عوام کی اقتصادیات کو تسلیم کرتی ہے، بلکہ عوام کے [illegible] سے وہاں کی معاشرتی تنظیم کرتی ہے، کہ اسی کے ذریعہ وہ قوم دولت حاصل اور خرچ کر سکتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ ہر چیز پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں،

اس کی کتاب کی واحد روح یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ ایک سیاسی دنیا ہونے کی جگہ ایک معاشرتی جماعت ہے، اور یہی چیز ہے جس یورپ کے تمدن سے جس نے اس براعظم کو متعدد مختلف اقوام میں تقسیم کر رکھا ہے، امریکہ کے سیاسی اتحاد ہی کو اسے اقتصادی طور سے اتنا بلند کر رکھا ہے، امریکہ کے نقطۂ خیال سے آزادی کے معنی یہ ہیں کہ اس کی اقتصادی مساعی میں سیاست کو بالکل دخل نہ ہو، اگرچہ علمی حیثیت سے اس پر بہت کچھ خیال آرائیاں کیجا رہی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی یہ ترقی وہاں کی سیاسی کارروائیوں سے بالکل مستغنی ہے، سچ تو یہ ہے کہ امریکہ ایک تاریخی قوم یا سیاسی جماعت ہونے کے بجائے

ایک خاص اقتصادی تنظیم ہے"

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آخر اس تمدنی جنگ میں یورپ فتحیاب ہوگا یا امریکہ؟ ایم رومیر لکھتا ہے کہ

"جنگ عظیم کے اہم نتائج میں ایک یہ بھی ہے کہ امریکہ اب دنیا کی سیاست، دنیا کے تمدن اور دنیا کے مالیات میں اہم ترین درجہ حاصل کر رہا ہے، یورپ صرف اس کی تقلید کر رہا ہے، تو کیا یہ وقتی غلبہ مستقل شکل اختیار کرے گا؟ اس سوال پر غور کرنے کے لیے ہم کو دو چیزوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے، ان میں سے ایک عام مادی اثر اور دوسری قومی و نسلی اصلاحات کا وجود ہے، کارخانوں کے عہد موجودہ نے یورپ کو متعدد چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور ہر حصہ ایک مستقل تمدن کا مالک اور اقتصادی حیثیت سے تمام دوسرے حصوں کا حریف بن رہا ہے، البتہ یورپ نے اپنی قوت ایجاد باقی رکھی ہے، اس کا سبب شاید یہ ہے کہ نہ تو وہ اپنے قدیم روایات کو فراموش کرنا چاہتا ہے اور نہ اس نے اپنے مذہبی و تاریخی آئین و رسوم کو پس پشت ڈالا ہے، اس وقت یورپ کے پیش نظر یہ مسئلہ ہے کہ وہ کس طرح اپنی ان چیزوں کو باقی رکھتے ہوئے اس عام بیداری کے موافق، جو عوام میں پیدا ہو گئی ہے اپنے حالات کے مطابق بنالے، دوسری طرف امریکہ اس میں کامیاب ہو چکا ہے،

پس اس وقت یورپ کے لیے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے حدود کو اس طرح مقرر کرے جس میں ہر علاقہ دوسرے علاقہ سے بے نیاز ہو کر نہایت آزادی، وسعت اور اطمینان سے منزل ترقی کی طرف گامزن ہو سکے کہ اگر موجودہ عہد ترقی کو قائم رکھنا ہے تو اس کے سوا کوئی دوسرا چارہ کار نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ یورپ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے روحانی اتحاد کو قائم رکھے،

انسانوں کے ایک بڑی تعداد کے باقی رکھنے کا جذبہ اہل یورپ کو عوام کی طرف کھینچ رہا ہے، اور اب کسی ایسے تمدن کا قیام جو عوام کی ضرورتوں کا حامل نہ ہو یہ ناممکن سا خیال ہے، چنانچہ اقتصادیات کے ذریعہ سیاسیات پر قبضہ کرنے کا تخیل عام ہو رہا ہے، سیاسی رہنما اور ملکی مدبر اقتصادی دباؤ کے ماتحت اپنے خیالات میں عظیم الشان انقلاب پاتے ہیں، مختصراً اقتصادی ترقی نے حکومت کو دبانا شروع کر دیا ہے اور وہ روز برو[ز]

دتی ہوئی نظر آرہی ہے، بہر حال حکومت قوم کا نام نہیں ہے، اور ایک قوم مادر وطن کی خدمت و حفاظت کے جذبہ سے متاثر ہو کر اپنی تمام روایات کے ساتھ اپنے کو زندہ اور باقی رکھ سکتی ہے،

اگرچہ یورپ میں بہت کچھ فطری صلاحیت موجود ہے، لیکن اس نے اب تک اپنے کو حالات کے مطابق نہیں بنایا ہے، مگر یورپ اب بھی چاہے تو امریکہ سے اس نئی دوڑ میں بازی لیجا سکتا ہے کہ اس کے پاس اسکی صدیوں کی روایات ہیں اور یہ وہ بنیاد ہوگی جس پر مستحکم بنیاد قائم کیجا سکتی ہے، اس وقت جو خطرہ بھی ہے وہ اس عام تمدن کا ہے اور اسی خطرہ نے امریکہ میں صنعتی کشمکش اختیار کر لی ہے، اور وہاں محض تعلیم ایک بیکاری چیز سمجھی جانے لگی ہے، اس تعلیم سے مصنف کا مقصد وہ تعلیم ہے جو آدمی کے لیے براہ راست ذمہ دار نہ ہو، اب ایسی تعلیم کی ضرورت ہے جو اپنے ساتھ فوراً آمدنی بھی لائے، چنانچہ وہ تمام صناع جنکی صنعتوں میں ہاتھوں کی جگہ کلوں نے لی ہے بیکار ہیں، اور سب کے سب کام کرنے والے ایک ظالم اقتصادی قانون کے پنجہ میں گرفتار ہیں، کہ یہ قانون آدمی کی جگہ مصنوعات کی مقدار و کمیت پر نظر رکھتا ہے اور بس،

مصنف کا خیال ہے کہ اگر یورپ نے اپنی مذہبی روایات سے کام لیکر اشرف المخلوقات کی فلاح و بہبود اور مشینوں پر اس کی برتری کو قائم رکھا تو وہ اس جنگ میں کامیاب ہو سکتا ہے، ورنہ اس کی بربادی یقینی اور لابدی ہے،

"ض"

ہندوستان کی گذشتہ عظمت و وسعت

ڈاکٹر بی، آر، چٹرجی نے ایک مفصل فاضلانہ مضمون میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ عہد ماضی کا ہندوستان موجودہ ہند سے زیادہ وسیع اور اس کے اثرات اس سے بھی زیادہ وسیع تر تھے، وہ لکھتے ہیں:-

ہندوستانی اثر کے لیے ہندی چین، اور مجمع الجزائر ملایا میں ہمارے پاس قدیم ترین ذریعہ معلومات چین کی شاہی تاریخیں ہیں، ان ملکوں میں جو چینی سفیر بھیجے گئے تھے ان کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں کونڈینا نام ایک برہمن نے وسطی ہندی چین میں ایک زبردست حکومت قائم کی تھی، اس حکومت کا چینی میں فونان نام تھا، اس بیان کی تصدیق ایک کتبہ سے بھی ہوتی ہے، یہ کتبہ ساتویں صدی عیسوی کا ہے اور اس میں فونان حکومت کے دار السلطنت بھاوا پور کی تعمیر کا حال درج ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اس برہمن نے وہاں کے شاہی خاندان میں شادی کر لی تھی اور وہاں حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، بعد کے مورخین نے اس کو ہندوستان کے چندر بنسی خاندان سے ملا دیا، اس کے علاوہ دوسری حکومتیں بھی جو ہندوستانی تمدن سے متاثر تھیں ہندی چین میں عالم وجود میں آئیں، ان میں کمبوجا، چمپا، دوارونی، ہمسوتی، اری مردن پور وغیرہ قابل ذکر ہیں،

بورنیو اور سماترا مجمع الجزائر کے مرکزی حصوں میں سب سے پہلے جو حصہ ہندوستانی تمدن سے سب سے زیادہ متاثر و ممتاز ہوا، مغربی جاوا کا تھا، یہاں کا چوتھی صدی کا سنسکرت کتبہ مظہر ہے کہ ملا ورمن نام ایک بادشاہ نے یہاں ویدی قربانی کی رسوم ادا کی تھیں، یہاں راجہ پرنا ورمن نے نہریں بنوائیں، اور خود کو وشنو ظاہر کیا، اس کے علاوہ بالی جہاں آج بھی ہندو مذہب باقی ہے، اور سماترا جو جزیرۂ سونا کے نام سے موسوم تھا، اہمیت رکھتے ہیں، بعد میں وسطی جاوا اور پھر مشرقی جاوا ہندوستانی حکومتوں کے مرکز رہے،

شری وجیا کے شلندرا حکمرانوں کی حکومت جو سماترا کے جنوب شرق میں واقع تھی صدیوں تک ہندوستان اور چین کے مابین سب سے بڑی بحری طاقت تھی، ۸ ویں صدی میں شری وجیا کے راجہ سماترا، جاوا، جزیرہ نمائے ملایا کے بعض علاقوں اور مجمع الجزائر کے متعدد جزیروں پر حکمراں تھے، چینی سیاح اتسنگ کا بیان ہے کہ یہ سنسکرت تعلیمات کا ایک بڑا مرکز تھا،

حتٰی کہ ۱۴ ویں صدی تک جاوا کی ہندو بدھ حکومت مجمع الجزائر اور جزیرہ نمائے ملایا کے ایک بڑے حصہ پر قابض تھی، اس کا زبردست بیڑہ ایک طرف آسٹریلیا تک اور دوسری طرف جزائر فلپائن تک تمام جزیروں میں امن قائم رکھتا تھا،

چمپا، کمبوجا، بورنیو، جاوا، سماترا، بالی، جزیرہ نمائے ملایا وغیرہ میں جو سنسکرت کتبات ملے ہیں وہ ہند عظمیٰ کی گذشتہ پرشوکت تاریخ کی تعمیر میں بہت کچھ معاون ہو سکتے ہیں، ہندی چین اور جاوا ڈچ مجمع الجزائر کے فرانسیسی فضلاء نے ان کتبات کی دریافت اور اشاعت میں بڑی کوشش کی ہے، ہم ہندوستانی ہندوستان کی اس وسعت کے متعلق بہت کم جانتے ہیں کہ انگریزی میں اس کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے،

کمبودیا | چھٹی صدی عیسوی میں کمبودیا نے فونان کی حکومت کو مٹا کر ایک مضبوط حکومت کی بنا ڈالی چھٹی صدی سے ۱۴ ویں صدی تک کی اس حکومت کے کارناموں کے لیے ہمارے پاس تقریباً پانچسو کتبات موجود ہیں، ان میں سے اکثر فصیح سنسکرت میں ہیں اور ان کے ذریعہ ہم ان کی تاریخ سیاسی و معاشرتی مدون کر سکتے ہیں،

کمبودیا کے مشرق میں چمپا کی ہندو حکومت تھی، اس حکومت کی تمام زندگی جنگ و جدال ہی میں گذری کہ ایک طرف چینیوں سے مقابلہ تھا اور دوسری طرف انامیوں سے، اس کے متعلق بھی ہمارے پاس تقریباً ۱۵۰ کتبات ہیں اور چینی اور انامی تاریخ کی مدد سے اس ریاست کی تاریخ تیار کی جا سکتی ہے، ہم ہندی چین کے ہندوستانی عہد کے دریافت کے لیے صرف فرانسیسی ماہرینِ اثریات ہی کے ممنونِ احسان ہیں،

رہا جاوا، سماترا، بالی وغیرہ کا معاملہ تو یہاں سنسکرت اور کاوی (جاوا کی قدیم علمی زبان) کے کتبات کی بہت کمی ہے، لیکن ہمارے پاس ڈکاوی تاریخیں ہیں جو تیرہویں اور ۱۴ ویں صدی کے حالات پر مشتمل ہیں اور جاوا کا یہ بہترین عہد تھا، نویں اور دسویں صدی کے عرب تاجروں کے بیانات بھی ان جزائر کے حالات پر دلچسپ روشنی ڈالتے ہیں، ڈچ ماہرینِ اثریات نے نہ صرف جاوا کی ہندو تاریخ کی دریافت اور تدوین میں بہت حصہ لیا ہے، بلکہ وہاں کے قدیم معبدوں اور مندروں کی حفاظت کا سامان کر کے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے،

انگکورووٹ | کمبودیا کے علاقہ میں انگکورووٹ کا وشنو مندر دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے، اسے بارہویں صدی کے نصف اول میں سوریا ورمن ثانی نے بنوایا تھا، یہ مندر ایک گھنے جنگل میں ہونے کی وجہ سے نہ

صرف نظروں سے بلکہ دماغوں سے بھی اوجھل ہو گیا تھا، سنہ ۱۸۶۰ء میں ایک فرانسیسی ایچ، موہوت نے اس کا دوبارہ پتہ لگایا، اس کا بیان ہے کہ یہ دنیا کی عجیب ترین عمارت ہے اور یونانی و رومی اس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتے، یہاں کی ہر چیز پر عظمت برستی ہے، جس ٹیلہ پر یہ مندر ہے، وہ ۷۰۰ فٹ چوڑا ہے، ایک سنگی دیوار جو مشرق سے مغرب تک ۲/۳ میل اور شمال سے جنوب تک نصف میل ہے، اس مندر کو گھیرے ہے، اس کے مختلف برج اور مینار ہیں، اور اندر کی دیواریں راماین، مہابھارت، ہری ونشا وغیرہ کے مناظر کی بہترین تصاویر سے مزین ہیں،

بورو بودر | جاوا میں بورو بودر کی دیواریں گوتم بدھ کی زندگی کی مختلف تصویریں پیش کرتی ہیں، یہ پورا کا پورا مندر ایک پہاڑی میں کھود کر بنایا گیا ہے، وسطی جاوا کے پرمنبان کے مندر میں راماین کے پہلے پانچ باب بہت ہی خوبصورت طریقہ سے منقش کئے گئے ہیں، اگرچہ جاوا میں کمبودیا جیسا حسین مندر نہیں ہے، لیکن سنگ تراشی یقیناً اس سے بہت بلند ہے، جاوا میں بدھ کے بعض ایسے بت ہیں جن کی مثال دنیا میں مشکل سے مل سکے گی،

"ن"

اخبارِ علمیہ

حرکتِ ارضی میں تبدیلی

ڈاکٹر سی اے، فری کا بیان ہے کہ یہ بات اچھی طرح ثابت ہوچکی ہے کہ زمین کی حرکت کی رفتار میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے، اور زمین سمٹتی اور پھیلتی رہتی ہے، جاڑوں میں سخت ترین زلزلوں کا سبب اس کا یہی سمٹاؤ ہے، ابھی تک رفتار کے تغیر کے اسباب و علل اور اس کے اصول مرتب نہیں ہوسکے ہیں، ہر سال یہ تغیر ایک ثانیہ کا کوئی جز ہوتا ہے، ڈاکٹر ای ڈبلیو، براؤن نے جو جامعہ یول کے استاذ ریاضی ہیں، فلکی حیثیت سے اس تغیر کا پتہ چلایا ہے،

عورت اور مرد کا فرق،

ڈاکٹر ہیو کمنگ نے عرصہ کے تجربہ و تحقیق کے بعد یہ پتہ چلایا ہے کہ اگرچہ عورتیں عموماً مردوں سے زیادہ زندہ رہتی ہیں، لیکن مرد صحت کے اعتبار سے ان سے بدرجہا بہتر ہوتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ گیارہ سال کی عمر تک لڑکی اپنے ہمعمر لڑکے سے زیادہ تندرست، مضبوط اور قوی ہوتی ہے اور لڑکا بیشتر بیمار اور روگی، لیکن اس کے بعد یکایک انقلاب پیدا ہوتا ہے، اور لڑکی کمزور اور لڑکا قوی ہونے لگتا ہے، ان کا خیال ہے کہ ۲۰ سے ۲۵ تک انسانی حیات کا بہترین دور ہے،

دنیا کی جدید بلند عمارت

نیویارک شہر میں، ایک عمارت زیر تعمیر ہے، یہ سنہ ۳۰ء میں مکمل ہوگی، یہ دنیا کی چار بلند ترین عمارتوں میں سے ایک ہوگی، اس کے تعمیری اخراجات کا اندازہ ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈالر ہے، اور اس کی بلندی ۸۰۰ فٹ ہوگی،

جاپانی ٹائپ رائٹر

چونکہ جاپانی زبان کی تحریر میں تقریباً ایک لاکھ مختلف حروف استعمال کئے جاتے ہیں، اس لئے اس زبان کے ٹائپ رائٹر بنانے کا کام بہت دشوار معلوم ہوتا تھا، اور اگرچہ آج سے چودہ سال پہلے ایک ٹائپ رائٹر ایجاد ہوا تھا، لیکن وہ بڑی حد تک آسانی کی جگہ کام میں مشکلات پیش کرتا تھا، اب بعض ماہرین نے تمام حروف کو تقریباً ۳ ہزار کی شکل میں محدود کرکے اس کام کو آسان تر کردیا ہے، چنانچہ متعدد جاپانی کارخانے اب ان کو استعمال کرتے ہیں،

ایک نئی تجارت

مسٹر ٹی ای کوک کا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بھی بیکار نہیں ہے، اور ان کا مقصدِ حیات بھی یہی ہے کہ وہ اس تجارت کو قائم کریں، جو صرف ان ظاہرا بیکار چیزوں کے متعلق ہو، چنانچہ انھوں نے مختلف بیکار چیزوں کو جنکو بڑے بڑے کارخانے بیکار سمجھ کر پھینک دیتے تھے، باکار بنانے کا ٹھیکہ لیا ہے، اور وہ عنقریب ایک نئی منفعت بخش تجارت کی بنیاد رکھیں گے،

ایک نئی ایجاد

دنیائے طباعت میں حال ہی میں ایک عجیب ایجاد کی اطلاع موصول ہوئی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی سیکڑوں میل دور بیٹھکر ایک ٹائپ رائٹر کے ذریعہ، کسی مطبع میں بھی خبریں، اور کتابیں کمپوز کرسکتا ہے، دونوں طرف مشینوں میں کاغذ کی پٹیاں لگادی جاتی ہیں اور وہ ایک دوسری مشین سے ملا دیجاتی ہیں، جو کچھ کمپوز کرنا ہوتا ہے وہ اسی کاغذی پٹی پر لکھا جاتا ہے اور دوسری طرف وہی چیز نہ صرف چھپتی جاتی ہے، بلکہ لینوٹائپ مشین کے ذریعہ وہی عبارت ڈھلتی بھی جاتی ہے، اس ایجاد کا سہرا مسٹر فرینک ای، گینٹ کے سر ہے،

ہوائی جہاز کی ترقی امریکہ میں،

یوں تو اس وقت تک امریکہ میں جن چیزوں کی سب سے زیادہ تجارت ہے وہ تیل، ربڑ، موٹر اور لاسلکی کے اجزاء ہیں،

لیکن اب ہوائی جہاز کی ساخت اور اس کے پرزوں کے بنانے کی صنعت بھی تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور ۵ سال کے اندر جہازوں کی تعمیر تقریباً تگنی ہو گئی ہے، مندرجۂ ذیل اعداد ہمارے دعویٰ کی تصدیق کرینگے،

سنہ	تعداد طیارہ	قیمت
۱۹۱۹	۶۶۲	
۱۹۲۱	۳۰۲	
۱۹۲۳	۵۸۷	
۱۹۲۵	۷۸۹	۶۶۷۳۶۵۹ ڈالر
۱۹۲۶	۱۱۸۶	۸۸۷۱۰۲۷ "
۱۹۲۷	۱۹۶۲	۱۴۵۱۲۹۹۹ "

کاشت اور کیمیاوی مرکبات

ڈاکٹر اڈون ای، سلون کا بیان ہے کہ ہر کھیت ایک کیمیاوی کارخانہ ہے، اور مختلف فصلوں میں مختلف چیزوں کی کاشت کے زمانہ میں مختلف کیمیاوی مرکبات ان سے حاصل کئے جا سکتے ہیں، چنانچہ ان کا خیال ہے کہ اب کاشتکار اس عام طریقہ کاشت کو ترک کر کے ایک نئی صورت اختیار کرنے والے ہیں اور وہ یہ ہے کہ پہلے وہ یہ دیکھینگے کہ اس وقت بازار میں کن کیمیاوی مرکبات کی ضرورت ہے اور پھر وہ اسی چیز کی کاشت شروع کرینگے جسے وہ مرکبات حاصل کیے جا سکیں، اس طرح ان مرکبات کی ایک بڑی مقدار جو سالانہ برباد ہو جاتی ہے کام آجایا کرے گی،

بلند ترین پرواز کا نتیجہ

حال ہی میں امریکہ کے محکمۂ ہوائی جہاز کے دو افسروں نے ایک عجیب وغریب تجربہ کیا ہے، یعنی وہ ایک

چھوٹے جہاز پر بیٹھکر ۳۸۰۵۴ فٹ (سات میل زیادہ) بلند تک اڑ گئے اور یہ ہوائی جہاز کی بلند ترین پرواز تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فضا کی انتہائی برودت سے ان کے انجن کا تیل برف کی طرح جم گیا، دونوں ہوابازوں نے ایسی حالت میں جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ ہوائی جہاز کو غلط طریقے سے گرنے نہ دیا اور جب وہ گرم فضا میں پہنچ گیا تو نہایت ہوشیاری سے انجن کو چالو کر لیا، ان کو بلندی تک پہنچنے میں صرف ۲۵ منٹ لگے تھے،

دمہ کا نیا علاج

جرمنی کی طبی مجلس کی جدید ترین ایجاد وہ نقاب ہے جو اس نے دمہ کے لیے بنایا ہے، اس مرض کو کم کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ مریض ایسی جگہ رہے جہاں گرد بالکل نہ ہو، کہ گرد کے سینہ میں داخل ہونے ہی سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے، لیکن یہ احتیاط صرف بڑے مکلف مکانات میں ممکن ہے اور غریبوں سے جو سڑکوں اور کارخانوں وغیرہ میں کام کرتے ہیں، یہ تقریباً محال ہے، اس لیے ڈاکٹر ای فرنکل نے یہ نقاب ایجاد کیا ہے، یہ اسی قسم کا نقاب ہے جیسا کہ زہریلی گیس سے محفوظ رکھنے کے لیے ایجاد کیا گیا تھا، اور ان کا خیال ہے کہ اس سے مریض کو نہ صرف مزید تکلیف نہ پہنچیگی، بلکہ اس کا مرض بھی جاتا رہیگا،

ایک نئی دھات

جرمنی کے مشہور کارخانہ آہن کرپ نے مختلف اجزا سے ملا کر ایک دھات تیار کیا ہے، اس کے متعلق اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نہ صرف لوہے سے مضبوط ہے، بلکہ لوہے کی خرابیوں سے بھی محفوظ ہے، اس سے دھار دار اوزار بنائے جا رہے ہیں، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت کارخانہ اس دھات کی قیمت اس کے وزن کا دگنا سونا وصول کرتا ہے،

"ن"

ادبیات

سخنِ حبیب

از

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی حسرتؔ

مولانا کی فارسی غزلیں معارف میں "سخنِ حبیب" کے عنوان سے بارہا شائع ہو چکی ہیں، مگر ان کی اردو غزل آج پہلی بار شائع ہوتی ہے، ۱۹۲۵ء کی مسلم یونیورسٹی جوبلی کے موقع پر ایک مشاعرہ بھی ہوا تھا جسمیں مصرع طرح یہ تھا کہ ع

یہی ذرے اڑا لے جائیں گے اک دن بیاباں کو

مولانا نے اس طرح پر حسب ذیل غزل ارشاد فرمائی تھی،

ضیا بخشی رخِ پُر نور نے صبح بہاراں کو
دلآرا کردیا زلفِ معنبر نے شبستاں کو

نئی ہر روز آفت ہے محبت میں مری جاں کو
دل آیا تو وہ کہتے ہیں نکالو دل سے ارماں کو

جنوں کی نکتہ سنجی، نا تو لیلیٰ کو رغبت تھی
بنایا میلِ سرمہ قیس نے خارِ مغیلاں کو

دلِ وحشی کو کیا تسکین ہو صحرا نوردی سے
اٹھا کر کوئی رکھدے گوشۂ دل میں بیاباں کو

قدم میرا تو دم تیرا ہی آباد رکھتے ہیں،
بیاباں کو، شبستاں کو، چمن کو، بیتِ احزاں کو

کیے دیتی ہے وحشت پارہ پارہ کسوتِ ہستی
کہاں فرصت کہ بیٹھوں چاک کرنے میں گریباں کو

خلش بھردی کچھ ایسی لذت افزا تیری چتون نے
کیا دل نے تصور نوکِ مژگاں نوکِ پیکاں کو

متاعِ دین و ایماں تو بچا ہو تو بچے یارب!
وہ چشمِ فتنہ ساماں تاکتی ہے اب تو ایماں کو

بجا ہے گر کہیں یکجان دو قالب وادیِ وحشت؛
ترے خارِ مغیلاں کو مرے تارِ گریباں کو

گئے وہ دن کہ اپنا آشیاں تھا صحنِ گلشن میں
قفس سے جھانک لیتے ہیں کبھی اب تو گلستاں کو

معاذ اللہ! وہ ترکِ چشم جس کے ایک اشارے نے
بنایا غازۂ روئے زمیں خونِ شہیداں کو

کبھی وہ زلفِ عنبر بو نشاطِ خوابِ راحت تھی
ترستی ہیں یہ آنکھیں اب تو اک خوابِ پریشاں کو

نمک ریزی سے راحت ہے دلِ مجروح کو حسرتؔ
بنایا محرمِ رازِ نہاں ہم نے نمکداں کو،

باقرخانی روٹی

یادگارِ شاد عظیم آبادی مرحومؒ

شعراء نے اپنے اپنے رنگ میں نان و حلوا بھی لکھا، اور بیسنی روٹی بھی لکھی ہے، دیوانِ غالب میں مرزا نوشہ غالب کا وہ قطعہ بھی موجود ہے جو انھوں نے ظفر شاہ کے بیسنی روٹی عنایت کرنے پر لکھ کر بادشاہ کو بھیجا تھا، مگر مرحوم حضرت شاد کی اس روٹی کا لطف ہی کچھ اور ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت بدرِ طریقت جناب شاہ بدرالدین قدس سرہ (سابق سجادہ نشین پھلواری و امیر شریعت بہار) نے مولانا شاد عظیم آبادی کو پھلواری کی چند روٹیاں جو اس دیار میں مشہور ہیں تحفۃً بھیجی تھیں، مولانا شاد نے اس کی رسید اور شکریہ میں یہ پر لطف قطعہ لکھکر بھیجا تھا، ایک دوست کے ذریعہ یہ "خوانِ نعمت" ہم تک پہنچا ہے اور اب ہم اس کو اپنے دوستوں کے سامنے چنتے ہیں،

قرص نانے ارمغاں آمد ز شنم کو بود — ہادیِ اصحاب دین و خضر ارباب یقیں
وہ چہ نانے گندمش آورد آدم از بہشت — آسیہ دست اس کردہ ہاجرہ گردش عجیں
جائے ہیزم در تنورش شاخ طوبیٰ ریخت نوح — وہ چہ نانے مرہمش پاشید شیر و انگبیں
دیدہ ایں ناں اگر موسیٰ بن عمران یک نفس — من و سلوا کے طلب کردے ز رب العٰلمیں
وہ چہ نانے کش بلا گرداں ثریا بر فلک — وہ چہ نانے پیش خوانش مہر سائیدہ جبیں
مدح گویاں حوریان و قدسیاں حیرت کناں — نعمتے آمد چناں یا رب ز جنت بر زمیں
معنی سی پارہ را روشن کند ہر پارہ اش — می تواں خواندن ز نقش نقش آیاتِ مبیں
کردہ از بوئے خوشش صد مرتبہ ذکر درود — ہم قوائے باطنی ہم جسم ظاہر اجمعیں
خستگاں را قوتے بخشید با ایں خستگی — گفت ہاتف کُل کہ فیہ لذۃ للآکلیں
شیخ وقتا سرورا ایں پرورا معنی رسا — ایکہ اقلیم طریقت مر ترا زیر نگیں
من چہ حد دارم کہ شکر نعمتت آرم بجا — فیضیاب از درگہِ پاکت کہیں و ہم مہیں

تا قیامت سایۂ فضلِ تو باشد بر جہاں
ایں دعا از شاد و آمیں از لبِ روح الامیں

باب التقریظ والانتقاد

جدید رسائل و اخبارات

گذشتہ بارہ مہینے اردو دنیائے صحافت کے لئے چند مستثنیات کے علاوہ خوش آیند و قابل ذکر نہیں کہے جا سکتے کہ ان مہینوں میں جو رسالے اور اخبارات کتمِ غیب سے منصۂ شہود پر آئے انھوں نے کمیت میں تو ضرور اضافہ کیا، لیکن کیفیت میں کوئی تغیر نہ ہو سکا، البتہ اس سال کی یہ خصوصیت ضرور قابل ذکر ہے کہ عام اخبارات کے بجائے خاص اغراض و مقاصد اور مخصوص جماعتوں کے رسائل و اخبار کی تعداد زیادہ تھی، اور یہ اس بیداری کا جو مختلف حلقوں میں پیدا ہو گئی ہے، ایک امید افزا ثبوت ہے،

چنانچہ رسائل میں **سفینہ، شبستان، تاریخ، العراقی، مجدد اعظم، بیدار** وغیرہ اور اخبارات میں **بائسکوپ، مباہلہ، آستانہ، اصلاح** وغیرہ اس کی زندہ مثالیں ہیں،

عام طرز کے رسائل میں **طور، سروش، نخلستان**، اور اخبارات میں **پیغام، تاج، دور جدید، صبح دکن** وغیرہ اس سال کی پیداوار ہیں،

سفینہ، مدراس ضخامت (۵۰) کے اعظم جاہی مدرسہ یا گورنمنٹ محمڈن کالج کی مجلسِ اردو کا سہ ماہی رسالہ ہے، اس کی ترتیب السنۂ اسلامی کے استاد اور چار طلبہ کے ہاتھوں میں ہے، اس کا مقصد کالج کے طلبہ میں خصوصاً اور جنوبی ہند میں عموماً اردو کا صحیح ذوق پیدا کرنا ہے، اور اس وقت تک اس کے جو پرچے شائع ہوئے ہیں وہ ترتیب مضامین اور تنوعِ مباحث کے لحاظ سے مفید اور دلچسپ ہیں، سالانہ قیمت سے ؎،

تاریخ حیدرآباد ضخامت ۹۶ صفحے، جناب حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری اثری و تاریخی مضامین کی

اشاعت مین تقریباً نصف صدی سے مشہور ہین، اب انھون نے انھین دو مضامین سے مختص ایک سہ ماہی رسالہ شائع کرنا شروع کیا ہے، اردو مین اس موضوع مین مورخ و عبرت کے بعد شاید یہ پہلا اور ان دونون سے بہت بہتر رسالہ ہے، اصل مضامین سے تراجم و ماخوذات کی تعداد گو زیادہ ہے، لیکن جو کچھ بھی ہے، تاریخی حیثیت سے مفید اور پر از معلومات ہے، اور ہمکو امید رکھنا چاہئے کہ اس کے آیندہ نمبر تحقیقی تاریخی نتائج پر مشتمل ہون گے، ہم تاریخ دوست اصحاب سے اس رسالہ کے مطالعہ کی سفارش کرین گے، سالانہ قیمت: صہ، کوٹلہ اکبر جاہ، حیدر آباد دکن،

شبستان، لاہور، مصور، ضخامت صفحہ ۵۶، ہندوستان مین فلم کی تصاویر کی مقبولیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ یہان کے سرمایہ دارون نے غیر ممالک کے فلمون پر قانع نہ رہکر خود ہندوستان مین ان کی تیاری کے لئے متعدد کمپنیان قائم کر رکھی ہین اور شاید ہندوستان کے طول و عرض مین کوئی ایسا بڑا شہر نہین جہان یہ تصویر خانے (پکچر ہاؤس) نہ ہون، ان حالات مین اس برادری کے رسائل و اخبارات کا نکلنا ایک لازمی چیز تھی، اس سلسلہ مین شبستان کے ذریعہ پہلا قدم اس طرف بڑھایا گیا ہے، وہ بہت امید افزا اور اس دنیا کے شایانِ شان ہے، ایک رنگین تصویر کے علاوہ بارہ صفحات متفرق تصاویر ہین، کارٹون بھی ہین، مضامین کے لحاظ سے بھی اپنے موضوع کے متعلق مفید معلومات کا حامل ہے، اور ہم مسٹر شرر گوپال اولیس کو نشش پر مبارکباد دیتے ہین، قیمت سالانہ للعہ، دار الاشاعت پنجاب، لاہور،

اسی سلسلہ مین دہلی کے ایک ہفتہ وار اخبار بائسکوپ بھی قابلِ ذکر ہے، اس کے اڈیٹر ایم اے مغنی صاحب ہین، اس کی سالانہ قیمت للعہ ہے، لیکن، یہ اخبار اسم بامسمّیٰ نہین ہے، بلکہ سیاست، حکایت، شاعری وغیرہ تمام مباحث کو اس مین جگہ دی گئی ہے،

العراقی لاڑکوٹکھپور، ضخامت صفحہ ۴۰، صوبہ آگرہ کے اضلاعِ مشرقی مین ایک تجارت پیشہ مسلمان قوم آباد ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ عراق سے یہان آئی تھی، اس جماعت نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت اور اپنی برادری کی جماعتی تحریکون کے لئے یہ رسالہ نکالا ہے، قیمت سے،

بیدار، جوالاپور، (سہارنپور) صفحہ ۱۶، اسی طرح قصاب برادری نے جو اپنے کو قبیلہ قریش کی نسل سے بتاتی ہے، اس نام سے پہلے ایک رسالہ اور اب اخبار شائع کرنا شروع کیا ہے، سالانہ قیمت صہ،

دنیائے تصوف نے بھی طباعت کے ذریعہ اشاعتِ فیوض کا سامان کیا ہے، چنانچہ ہندوستان کے مرکزِ تصوف دار الخیر اجمیر سے **آستانہ** ہفتہ وار اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مرجعِ خلائق درگاہ سرہند (پنجاب) سے ماہوار **مجدد اعظم** گذشتہ سال سے شائع ہونا شروع ہوئے ہین، حضرت خواجہ ہندوستان مین اولین صوفی مبلغ اسلام تھے اور حضرت مجدد الف ثانی مسلمانون کو جو غلط تصوف و ہندو اثرات سے شرک تک پہونچ چکے تھے، پھر صحیح اسلام کی طرف لانے مین اولین ہنماہین، امید کہ دونون مرکزون سے ان دونون پرچون کی اشاعت تبلیغِ اسلام اور اصلاحِ بدعت کے اہم ترین فرائض مین بہت کار آمد ثابت ہوگی، دونون کا سالانہ چندہ سے رہے،

انھین کے ساتھ مذہبی مقاصد سے رسالہ **اسلام** امرتسر اور **مباہلہ** قادیان بھی نکلنا شروع ہوئے ہین، اسلام دو جز کا رسالہ ہے، اور اسمین عام فہم مفید مذہبی مضامین اور مذہبی اشعار ہوتے ہین، عوام مین مذہبی دلچسپی اور سیرت وغیرہ سے واقفیت پیدا کرنے کا یہ اچھا طریقہ ہے، اس کے اڈیٹر جناب محمد مہر الدین صاحب ہین، سالانہ قیمت عاہ ہے، ہم معزز مدیر سے درخواست کرین گے کہ وہ اپنے انشا پردازی کے زور مین لفظ "اسلام" کے احترام کو قائم رکھا کرین، مباہلہ احمدی جماعت کے مرکز سے اس کے خلاف نکلا ہے، اور اپنے اندر بصیرت و عبرت کے دفتر رکھتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ خود اس جماعت کی موجودہ حالت کیا ہے، یہ احمدی جماعت سے دلچسپی رکھنے والے موافقین و مخالفین دونون کے لئے دلچسپ ہے، اور حقیقۃً یہ مجلس داعیانِ مباہلہ کا ترجمان ہے، سالانہ قیمت ع

اصلاح، باغبان پورہ لاہور کا ماہوار اصلاحی رسالہ تھا جو اب اپنے مقاصد کی اشاعت مین زور و وسعت پیدا کرنے کے لئے ہفتہ وار کر دیا گیا ہے، امید کہ وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہو، کہ ہمکو تقلید سے زیادہ اپنی اصلاح کی ضرورت ہے، اس کی سالانہ قیمت درج نہین ہے،

موٹر کار، گورکھپور، ص ۳۶، اپنے خاص موضوع کا خود غماز ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی اسمین عام مذاق کے ادبی مضامین، افسانے اور نظمین بھی شائع ہوئی ہین، قیمت سالانہ عہ،

ان خاص اخبارات و رسائل کے علاوہ عام طرز کے جو رسالے نکلے ہین ان مین **طلوع**، لاہور، ص ۶۴، ۵ کو انسانیت کے لحاظ سے اولیت حاصل ہے، اس کے مضامین عموماً اچھے ہوتے ہین، نظم کا حصہ بھی دلچسپ ہے، افسانے بھی معیار کے ہوتے ہین، اور ایک آدھ تصویر بھی ہوا کرتی ہے، اس کے اڈیٹر جناب جلال الدین اکبر صاحب شاید اپنی برادری کے سب سے نوجوان رکن ہین، قیمت سالانہ ۳ ر

سروش، لاہور، ص ۴۸، ۷، جناب محمد عنایت اللہ خان صاحب حیرت کی ادارت مین نکلنا شروع ہوا ہے، پہلے نمبر کے مضامین سے اس رسالہ کے مستقبل کے متعلق اگر اس نے اپنا یہی معیار قائم رکھا تو بہت کچھ امیدین وابستہ کیجا سکتی ہین کہ اس کے مضمون نگارون کی فہرست مین جناب مولوی ظفر علیخان صاحب، پروفیسر غلام مصطفےٰ صاحب، پروفیسر مظفر الدین صاحب، وغیرہ کے نام نظر آتے ہین، سالانہ قیمت ۳ ر ہے،

نخلستان، ملتان، ص ۴۰، ۷، پنجاب کے مغربی حصہ سے نکلا ہے، مضامین کی ترتیب و انتخاب ناتجربہ کاری کا مظہر ہے، لیکن عام حیثیت سے قابلِ شکایت نہین ہے، کہ اس علاقہ مین اردو کی ترویج کا ایسے ہی رسالے سبب بن سکتے ہین، قیمت ۔۔ ر

ان مغربی ہند کے رسالون کے علاوہ شمالی بہار کے شہر دربھنگہ سے **پروانہ** نام ایک رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے، بہار مین رسالہ کا وجود ناپید ہے، اس لئے نہین سے یہ کچھ تو بہرحال بہتر ہی ہے، ضخامت ص ۴۰ سالانہ قیمت ہے

مغرب و مشرق کے علاوہ اردو کے مرکز لکھنؤ سے گذشتہ ماہ سے جناب ابو العلا ناطق اور جناب حکیم شگفتہ کے زیر ادارت **مبصر** نام ایک رسالہ نکالا گیا ہے، یہ رسالہ انجمن اخوان الصفا کا ترجمان ہے، اس کا مقصد ادبیات پر غیر جانبدارانہ بے لوث اور مخلصانہ تبصرہ بتایا گیا ہے، تعارف مین محترم مدیر نے لکھا ہے کہ:-

"اگر چند علمی و تاریخی مضامین ایک مختصر افسانہ، اور چند غزلون کی اشاعت کا نام خدمت ادب ہے، تو تحقیق کرنا چاہئے کہ بجائے ترقی زبان کے تنزلی ہو رہی ہے"،

اس تنقید کے بعد ہم کو امید ہے کہ اس رسالہ مین ہمکو کوئی بہتر چیز ملے گی، لیکن افسوس کہ مبصر بھی اسی فرسودہ

فہرست کا مجموعہ ہے، اور اس کے ادارتی مضامین کے بین السطور یہ صاف لکھا نظر آتا ہے، کہ اس کا وجود بعض خاص جذبات کا نتیجہ ہے، خدا کرے وہ جن بلند آہنگ دعوون سے عالم وجود مین آیا ہے، ان کو سچ کر دکھائے، اور اس کا دامن غبار رد عمل مین الجھ کر نہ رہجائے، سالانہ قیمت للعہ ر

عام اخبارات مین دو روزنامے ہین، ایک **پیغام** دہلی ہے دوسرا **صبح دکن** حیدر آباد، دکن ہے اول الذکر اخبار کی عنانِ ادارت پنجاب کے دیرینہ تجربہ کار اخبار نویس جناب شجاعت اللہ خان صاحب بی اے کے ہاتھ مین ہے، اور اس وقت تک اس کے جتنے پرچے نکلے ہین، وہ مضامین، تلخیص، خبرون اور نظمون کے لحاظ سے کسی اردو روزنامہ سے کم نہین ہین، اور اس کی قوم پرورانہ حکمت عملی اس کی آزادی رائے اور صحتِ طریقت پر شاہد، ہم اردو اخبار بین اصحاب سے اس کی خریداری کی پرزور سفارش کرین گے، اس کا سائز زمیندار و انقلاب کا سائز ہے سالانہ قیمت ۔۔ ر ہے، دوسرا روزنامہ جناب احمد عارف کی زیر ادارت شائع ہوتا ہے، جناب عارف، اردو دنیا مین خیابانِ اردو وغیرہ کے سلسلہ مین اچھی طرح روشناس ہو چکے ہین، حکومت آصفیہ کے حالات کے لئے اس کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا، یہ چار صفحات کا اخبار ہے، سالانہ قیمت ۔۔ ر

وطن، لاہور، آج سے ربع صدی پہلے مولوی انشاء اللہ مرحوم اور ان کے اخبار کو خاص اہمیت تھی، سیاسی انقلاب نے دونون کو نظر سے غائب کر دیا تھا، اب انکی وفات کے بعد ان کی یادگار مین جدید حکمت عملی کے ساتھ وہ پھر رونما ہوا ہے، خدا کرے وہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرلے، سالانہ قیمت ۔۔ ر

دورِ جدید، لاہور کا اعتدال پسند ہفتہ وار اخبار ہے، مضامین مین تنوعِ مباحث اور ہمہ گیری ہے، قیمت سالانہ ۔۔ ر

تاج، آگرہ، جناب سیماب اکبر آبادی نے نکالا ہے، یہ اخبار ایک طرف پیمانہ کا جانشین ہے، اور دوسری طرف سیاسیات کا حامل، اڈیٹر کے منظوم پیغامات بعض اوقات دلچسپ ہوتے ہین، سالانہ قیمت

باتصویر اخبار، دہلی، عام ہندو روزنامون کے طریقہ کا ہفتہ وار اخبار ہے، لیکن مصور اور آزاد خیال

سالانہ قیمت ۱۰ باؤنڈ آنے ۔

اخوت، لاہور، پنجاب کی مسیحی برادری کا اخبار نما ماہوار رسالہ ہے جس کا مقصد عیسائی مذہب پر جو اعتراضات ہوتے ہین، انکا جواب دینا ہے، سالانہ قیمت مسیحی برادری سے ۱۲ر اور عام خریدارون سے ۲ر

ہمت، یہ افسوسناک خبر تو سب کو معلوم ہے کہ جناب سید جالب صاحب جو ہمدم کے مشہور اڈیٹر تھے اخبار کے مالکون کی تنگ گیریون سے مجبور ہو کر اس سے علحدہ ہو گئے ہین، اور اب انھون نے یہ "ہمت" کی ہے کہ **ہمت** کے نام لکھنؤ ہی سے ایک نیا روزانہ اخبار جاری کرین جو وطنی وفاداری کے ساتھ اسلامی خدمات بھی ادا کریگا، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پورے صوبہ مین اگر ہمدم قایم بھی رہے تو تنہا ایک روزانہ اخبار کافی نہین ہے، اس لئے اس صوبہ کے باشندون کو اس نئے اخبار کی طرف خاص توجہ کرنی چاہئے، ہماری طرح بہت سے لوگون کو یہ یقین ہے کہ اس وقت ہندوستان کی اردو دنیا مین سید جالب سے بہتر کوئی دوسرا اڈیٹر نہین ہے، وہ اپنی روادارانہ پالیسی، مرنجان مرنج طبیعت، سہل و سادہ انشا پردازی، کثرت معلومات، اور خوبی ترتیب کی وجہ سے ہمیشہ ممتاز اور ہر دلعزیز رہے ہین، ہمکو امید ہے کہ ان کے قدردان انکی اس ہمت کی قدر فرمائین گے،

پتہ:۔ نیا گاؤن لکھنؤ سید عشرت حسین منیجر روزنامہ ہمت قیمت ؏ سالانہ،

مہاجرین حصہ اول

از حاجی مولوی معین الدین صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین

جس میں بقیہ حضرات عشرۂ مبشرہؓ و اکابر بنی ہاشم و قریش اور ان حضرات صحابہ کے حالات، سوانح، اخلاق و فضائل، اور ان کے مذہبی، علمی، سیاسی، مجاہدات اور کارنامے ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، شروع میں ایک مقدمہ ہے جسمیں قریش کی تاریخ اور قبائل مہاجرینؓ کی تفصیل ہے، ضخامت ۴۳۴ صفحے قیمت للعہ

منیجر

مطبوعات جدیدہ

وقائع عالمگیری، مرتبہ جناب چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی ۱۲۴×۱۰، مجلد قیمت عہ پتہ:۔ مصنف کوتوالی الہ آباد ہے،

اورنگ زیب ان چند بدنصیب حکمرانون مین سے ہے جن کی شہرت کو اغیار کی گمراہ کن غلط بیانی نے سخت ترین صدمہ پہونچایا ہے، اورنگ زیب کے متعلق مختلف اوقات مین مختلف اصحاب علم نے صحیح حالات پیش کرنے کی کوشش کی ہے، زیر تنقید کتاب مین اسی چیز کو ایک نرالے طریقے سے پیش کیا گیا ہے، جناب چودھری صاحب نے خود اورنگ زیب کے خطوط کے ذریعہ بعض الزامات کی تردید کی ہے، کہ خود اس کے خطوط سے زیادہ مستند کوئی چیز نہین ہو سکتی، خطوط کے سمجھنے کے لئے متعلق حالات کا اجمالی تذکرہ بھی ہے اور اس غرض سے علامہ شبلی کی مضامین عالمگیری سے بکثرت امداد لی گئی ہے، اشخاص کے حالات اور مقامات کے جغرافی بیان نے ان خطوط کو بہت مفید و دلچسپ بنا دیا ہے، اس کے علاوہ ۴۰ اصفحون کے ضمیمہ مین شاہجہان اس کے لڑکون، اورنگزیب کی اولاد اور اس کے مدار المہامون کی سوانحریان اور اس کے بعد عہد عالمگیری کے ہندو امرا کی فہرست و حالات نے اس مجموعہ کو بہت مفید و قیمتی بنا دیا ہے، اور یہی چیزین اس کو رقعات کے عام انگریزی محشی تراجم سے ممتاز کرتی ہین، کتاب مین اورنگزیب اور تاج محل کی تصاویر بھی ہین، ابتدا مین ایک دیباچہ بھی ہے، لیکن اس کتاب کے لئے ہم اس سے بہتر دیباچہ کے متوقع تھے، تاہم جناب چودھری صاحب کی سرکاری مصروفیتون کے باوجود ان کی یہ علمی خدمت لائق تحسین و تقلید ہے، اور اردو مین کم از کم اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے، بعض جگہ کتابت کی بھی غلطیان ہین، اور ان مین سب سے زیادہ افسوسناک آخری فرمان کے تاریخ کی غلطی ہے، اورنگ زیب ۱۰۶۸ھ مین بادشاہ ہوتا ہے، اور اس کی رسم تاجپوشی ۱۰۶۹ھ

مین ادا ہوئی تھی، یہ فرمان ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ اور معارف مین بھی شائع ہوچکا ہے، اس کے علاوہ اگر خطوط کے ماخذون کا حوالہ دیدیا جاتا تو بہتر تھا،

خزینۂ تاریخ، مرتبہ مجلس کابینہ بزم تاریخ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، ص ۰۰، قیمت: عہ، پتہ: بزم تاریخ، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن،

کلیہ جامعہ عثمانیہ مین تاریخ کے طلبہ نے بزم تاریخ کے نام سے ایک مجلس قائم کر رکھی ہے، اس کا مقصد طلبہ مین تاریخی ذوق پیدا کرنے کے لئے نہ صرف طلبہ سے بلکہ ملک کے اصحاب تاریخ سے خاص خاص موضوع پر تقریر کرانا ہے، چنانچہ تقریرون کی جو فہرست دی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے، کہ اس وقت تک (اگر موجودہ صدر کا خطبہ بھی شامل کر لیا جائے) ۲۰ مختلف موضوع پر اظہار خیال کیا جاچکا ہے، مقررین مین ہندوستان کے متعدد ہندو مسلم تاریخ دان اصحاب شامل ہین، اب اس بزم نے ان تمام تقریرون مین سے ۹ کو مندرجہ بالا نام سے شائع کیا ہے، ان مین سے ۶ طلبہ کی ہین اور ۳ اساتذہ کی، فہرست مین پروفیسر ہنمنت نرائن راؤ کا موضوع "پانی پت کی تیسری لڑائی" ہے، لیکن اصل کتاب مین "ملک مین اقتدار کا مسئلہ" پر ۸ صفحون کا مضمون ہے، دوسرے بعض طلبہ کے بیانات مین بعض جگہ تاریخی غلطیان ہین مثلاً دیوان مخفی کو اب تک زیب النساء کا دیوان کہنا، یا چاند سلطانہ کو والیہ بیجاپور بتانا وغیرہ، یہ غلطیان زیادہ اہم نہین، لیکن اگر مرتب ان کی اصلاح کر دیتے تو بہتر تھا، کہ ممکن ہے کہ آگے چل کر یہی مضامین دوسرون کے لئے ماخذ کا کام دین، بہرحال ہم طلبہ کی اس ہمت اور اساتذہ کی ہمت افزائی پر ان کو مبارکباد دیتے ہین، امید کہ دوسری جلد اس سے بہتر اور دلچسپ تر ہوگی،

خاکِ پروانہ، منشی پریم چند صاحب، بی اے، ص ۱۶۸، قیمت ۱ عہ، پتہ: مصنف، معرفت رسالہ مدھوری، حضرت گنج، لکھنؤ،

جناب منشی پریم چند صاحب، اردو کی ادبی و افسانی دنیا مین تعارف سے مستغنی ہین، تقریباً خمس صدی

سے وہ چھوٹے چھوٹے اخلاقی، معاشرتی، فرقہ وارانہ افسانون کے لکھنے مین بہت زیادہ شہرت حاصل کر چکے ہین، ان کا سب سے بڑا کمال ان کا ہندوستانی فطرت و ذہنیت سے کمال واقفیت ہے یہی سبب ہے، کہ ان کے افسانون کی مقبولیت ہندوستان کی مختلف زبانون سے گذر کر ایشیا و یورپ کی متعدد زبانون کو بھی مالامال کر رہی ہے، چنانچہ زیر تنقید افسانون کا چینی زبان تک مین ترجمہ کیا جاچکا ہے، یہ کتاب ان کے چودہ افسانون کا مجموعہ ہے ان مین سے اکثر افسانے مختلف رسائل مین شایع بھی ہوچکے ہین، مجموعہ کا نام آخری افسانہ کی رعایت سے رکھا گیا ہے،

تاریخِ گجرات (مختصر) پروفیسر مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی، ص ۱۲۵، پتہ مصنف مدرسہ جمالیہ، پرسبور بیرک، مدراس،

مولوی ابوظفر صاحب ندوی کی یہ مابہ الامتیاز خصوصیت ہے کہ وہ جس خطۂ ملک مین رہتے ہین وہ وہان کی زبان، وہان کے رسم الخط، وہان کے ادب اور وہان کی تاریخ سے پوری واقفیت حاصل کرتے ہیں، ان کی متعدد تصانیف اس کا بہترین ثبوت ہین، وہ گذشتہ چند سال تک گجرات کے قومی کالج کے پروفیسر تھے، اور اس عرصہ مین انھون نے اس صوبہ کی ایک مفصل تاریخ لکھی تھی اور اسی کے ساتھ انھون نے اردو مدارس حلقۂ گجرات کے لیے اس صوبہ کی ایک مختصر و جامع تاریخ بھی لکھی اور زیر تنقید تاریخ وہی مختصر تاریخ ہے، کتاب سات ابواب پر منقسم ہے، اور باب اول کے سوا جنمین صوبہ کا جغرافیہ و طبعی حالات بیان کئے گئے ہین، باقی تمام ابواب متعدد فصول پر مشتمل ہین، اور ابتدائے عہد تاریخ سے آج تک کے تمام حالات کو سادہ صاف اور مجانہ انداز سے بیان کیا گیا ہے، اگر ایسی تاریخین ہمارے مدارس مین رائج ہوجائین تو فرقہ وارانہ کشیدگی کا بہت جلد استیصال ہوسکتا ہے، یہ تاریخ دوسرے نصاب نویس اصحاب کے لئے ہدایتِ راہ کا کام دے سکتی ہے،

مصباح القواعد مرتبہ پروفیسر مولوی حافظ جلال الدین احمد صاحب جعفری ص ۲۸۰۰۰

قیمت ۸؍ مطبع انوار احمدی، الہ آباد،

عہد جدید کی فارسی کتب قواعد مین مولوی محی الدین جعفری مرحوم کی کتاب مفتاح القواعد بہت زیا
مقبول مفید اور پسندیدہ تھی، چنانچہ ہندوستان کی تمام یونیورسٹیون نے اسے اسکولون اور بعض جگہ کالجو
تک مین داخلِ نصاب کر دیا تھا، اور تقریباً ربع صدی سے زیادہ وہ اکیلی حکمران رہی، اب جبکہ متع
کتابین اسی قسم کی عالم وجود مین آچکی ہین تو مولوی جلال الدین صاحب جعفری نے ان تمام کتابون کو پ
اور مفتاح القواعد کو اصل شئے قرار دیکر اس کی تمام کمیون کو پورا کرتے ہوئے اسے واضح، مفصل او
زیادہ مفید اور کار آمد بنا دیا ہے، چنانچہ مصباح القواعد ضخامت مین مفتاح القواعد سے کئی گنا زیادہ
اس کے علاوہ اس کی قیمت دوسری کتابون سے کم ہے، اور امید کہ مفتاح القواعد کی طرح یہ بھی مقبول ہو گی،

پردہ پر ایک نظر، از مولوی اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی ص ۴۸ قیمت ۳؍ پتہ:۔ مدینہ بک ایجنسی بجنور،

پردۂ نسوان کا مسئلہ آج کل بہت عام ہو رہا ہے، اور مولوی صاحب نے اسی مسئلہ پر اپنے مذہبی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے، اس موضوع پر جو مختلف بلکہ متضاد خیالات لوگون مین موجود ہین، ان کے لحاظ سے اس سنجیدہ اور سلجھے ہوئے رسالہ کا مطالعہ مفید ثابت ہو گا،

واقعاتِ عالم، مرتبہ جناب خطیب محمد عبد الرشید صاحب نمبر ۶۹، گوڈون اسٹریٹ، مدراس، صفحہ ۴۴ قیمت ۴؍

جناب حاجی خطیب قادر بادشاہ صاحب جنوبی ہند کے با اثر کثیر التصانیف بزرگ تھے، ان کو تاریخ گوئی مین خاص ملکہ تھا چنانچہ زیر تنقید کتاب اسی قسم کی تاریخون کا مجموعہ ہے، جو گذشتہ چالیس سال کے اہم واقعات کے لیے ایک دلچسپ تاریخی چیز ہے، شروع مین مصنف کی تصویر اور مرتب کا دیباچہ بھی ہے،

"ن"

جلد بست و سوم ۲۳ | ماہ شوال المکرم ۱۳۴۷ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۲۹ء | عدد ۴

مَضَامِین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات	سید سلیمان ندوی	۲۴۲-۲۴۵
مولانا سید برکات احمد صاحب ٹونکی،	جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن	۲۴۶-۲۶۴
فلسفہ کب معرض وجود مین آیا؟	جناب مولوی سید ابو القاسم صاحب سرور حیدرآباد دکن	۲۶۵-۲۶۸
آل بُویہ کی ابتدائی تاریخ کے مآخذ	جناب ڈاکٹر سعید حسن صاحب ایم اے علیگ پی ایچ ڈی لنڈن،	۲۶۹-۲۸۵
ابن رشیق صقلیہ میں،	مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین،	۲۸۶-۲۹۴
حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین بہاری اور علم حدیث،	جناب مولانا شاہ نجم الدین صاحب خانقاہ بہار شریف	۲۹۵-۹۹
مریخ اور اسکی آبادی،	”	۳۰۰-۳۰۲
انگریزی کا ضخیم و مستند ترین لغت،	”ن“	۳۰۳-۳۰۵
اخبار علمیہ	”	۳۰۶-۳۰۹
تابشِ سہیل	مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ایل ایل بی علیگ	۳۱۰
فیہ مافیہ	”ع“	۳۱۱-۳۱۴
ذکریٰ	”	۳۱۵-۳۱۷
مطبوعات جدیدہ	”ن“	۳۱۸-۳۲۰